سیرتِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی
خوشبو
ڈاکٹر انعام الحق کوثر
سیرت اکادمی بلوچستان

کیا آپ کو معلوم ہے؟

- ناخواندہ قدم قدم پر دوسرں کا محتاج ہے۔
- ناخواندہ نہ اپنے بچوں بچیوں کے لئے سوچ سکتا ہے نہ ان کی تربیت کر سکتا ہے۔
- ناخواندہ کی اپنی کوئی زندگی نہیں اس لئے وہ ہر خود غرض، ظالم اور غلط کار کا آلہء کار بنا رہتا ہے۔
- ناخواندہ دنیا سے بھی بے خبر ہے اور دین سے بھی۔
- ناخواندہ نہ اپنے آپ کو پہچان سکتا ہے نہ اپنے خالق و رازق کو۔
- ناخواندگی زندوں کو موت ہے۔

لمحہء فکریہ

- صوبہء بلوچستان میں کل آبادی کا ۹۰% فیصد ان پڑھ ہیں۔
- بلوچستان میں ۹۴% خواتین ان پڑھ ہیں

آخر کیوں؟------جبکہ !

- ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ہر مسلم اور مسلمہ پر علم فرض قرار دیا ہے۔
- ماشاء اللہ ہم جس رسول ﷺ کے پیروکار ہیں ان کی شخصیت خود مستند ترین معلم کی ہے تو پھر ہم میں ناخواندگی کا یہ اندھیرا کیوں؟

جب آپ یہ سب کچھ جانتے ہیں تو پھر دیر کس بات کی؟

آیئے لوگوں کو ناخواندگی کے اندھیرے سے نکالنے کے لئے جہاد کا آغاز کریں۔ جس کی ابتداء شعبہء غیر رسمی تعلیم سوشل ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ بلوچستان کر چکا ہے۔ اور ان سنہری اصولوں کو روبہ عمل لانے کے لئے فی الوقت خواتین میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری ہو چکا ہے۔

- پاکستان، بلوچستان کے منتخب علاقوں سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنا۔
- پرائم منسٹر ٹریس کمیشن کے تعاون سے نان فارمل اسکول کا اجراء۔
- یونیسیف کے تعاون سے غیر رسمی پرائمری تعلیم کا اجراء تکمیل کے مراحل میں ہے۔ خواندگی کے اس عمل و برقرار رکھنے کے لئے گشتی لائبریریوں کا قیام، سوشل ایکشن پروگرام کے تحت خواندگی کے پروگرام کا اجراء۔
- بالغوں کو تعلیم اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کا پروگرام پورے زور و شور سے جاری ہے۔ جہالت کی س مفلوج زندگی میں جہاں ہم زندگی کے آثار پیدا کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، وہاں آپ لوگوں کا تعاون ایک تازیانہ کا کام کرے گا اور انشاء اللہ بہت جلد ہمارا شمار ایک ترقی یافتہ اور صحت مند معاشرے میں ہو گا۔

ڈائریکٹر نان فارمل ایجوکیشن (غیر رسمی تعلیم) فون۔ ۴۴۳۷۶۴
محکمہء سماجی بہبود حکومت بلوچستان ۲/۱ ازرغون روڈ، سریاب پھاٹک کوئٹہ

اپنائیے

۱۔ صَفائی جُزوِ ایمان ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اُس شخص کو پسند کرتا ہے جس کا لِباس و گھر صاف ہو۔

۳۔ کُوڑا کرکٹ باہر سڑک یا نالیوں میں نہ پھینکئے، بلکہ گھر یا دُکان کا کچرہ ایک ٹِین یا پلاسٹک کے تھیلے میں جمع کرکے مِیونسپل کارپوریشن کے بنائے ہوئے کچرہ دان میں پھینکئے۔

۴۔ کچرہ دانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے، مزید کچرہ دانوں کی تعمیر کے سِلسلہ میں بَلدیہ سے تعاون کریں۔

۵۔ ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ اپنے مَحلّہ، گھر، گلی، کوچوں اور شہر کو صاف سُتھرا رکھے۔

۶۔ تمام دوکانداران بالخصوص اشیاءِ خورد و نوش فروخت کرنے والے حَلوائی، نانبائی اور بیکری والے وغیرہ حِفظانِ صِحت کے اصُولوں پر پُوری طرح عَمل درامد کریں۔

۷۔ تعمیراتی کاموں کا مَلبہ وغیرہ شہر کے باہر پھنکوایا جائے۔ تاکہ شہر کی صَفائی کا کام مؤثر ثابت ہو سکے۔

بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بُلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں
(مولانا محمدّ علی جوہر)

حضورﷺ رہبرِ دیں مشعل ہدایت بھی
حضورﷺ دِل کا سکوں آنکھ کی بصارت بھی

وہ شمعِ نورِ ازل خاتمِ نبوّت بھی
وہ فخرِ نوعِ بشر بھی شہِﷺ رسالت بھی

اس ایک نور پہ تابانیءِ جہاں ہے نثار
وہ روشنی بھی ہے خوشبو بھی اور نکہت بھی
(احسان)

مَیں "سیرتِ پاکﷺ کی خُوشبو" کی اشاعت پر مصنّف کو مبارکباد دیتا ہوں۔

ڈپٹی کمشنر، ڈھاڈر
(ضلع بولان)
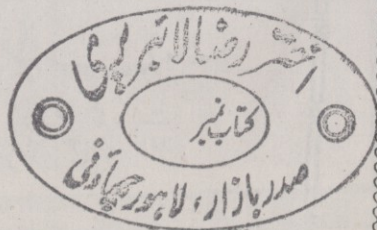
نام نبی ﷺ کی خوشبو
جسم اور جان میں ہے

ایک خوشبو سی بس گئی دِل میں
آپ ﷺ جس وقت یاد آئے ہیں

ایک خوشبو جو میسّر مجھے طیبہ میں ہوئی
ذہن و دِل کو اسی خُوشبُو میں بسائے رکھوں

خوشبو سے جسم و جاں کو بسائے ہوئے ہیں لوگ
یادوں کے دِل میں پھُول کھلائے ہوئے ہیں لوگ

خُوشبو کا بسیرا ہو مرے جسم میں، جاں میں
طیبہ کی ہوا سے مجھے سرکار ﷺ نوازیں

کیسی خوشبو تھی کہاں سے آئی تھی
ابر تسکیں بن کے دِل پر چھا گئی

پھُول میں ہے نہ وہ صبا میں ہے
ایک خوشبو جو خاکِ پا میں ہے

خوشبوئیں بے شمار پائی ہیں
رنگ بھی بے حساب دیکھے ہیں

کیسی خُوشبُو تھی فضاؤں میں بتاؤ لوگو!
اپنے سرکار ﷺ کا جب نام لیا تھا میں نے

(مسرور کیفی)

سیرتِ پاک علیہ التحیۃ والتسلیم کی خوشبو
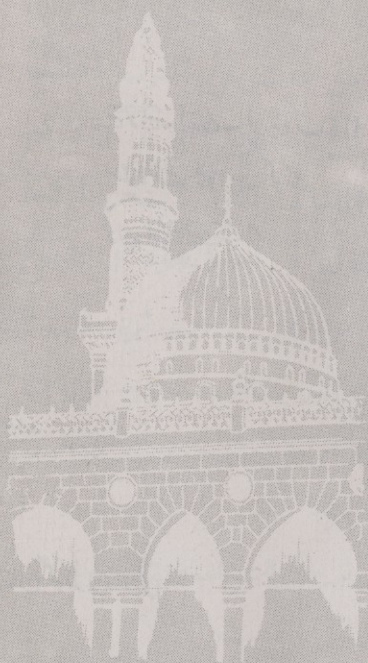
ڈاکٹر انعام الحق کوثر

سیرت اکادمی بلوچستان

۲۷۲۔ اے۔ او۔ بلاک ۳ سٹیلائٹ ٹاؤن کوئٹہ

سیرت اکادمی

272-اے- او بلاک III
سٹیلائٹ ٹاؤن- کوئٹہ
فون 442289

بار اول: ۱۹۹۳ء

بار دوم: ۱۹۹۶ء

بمناسبت: پاکستان گولڈن جوبلی

سرورق و اہتمام اشاعت: سلطان ارشد القادری

نگران طباعت: خواجہ جی

ناشاد پبلشرز

۶۵- ریگل پلازہ- جناح روڈ، کوئٹہ

NASHAD Publishers
• 65-Regal Plaza, Quetta ✆ 445180
• 1/7 Royal Park, Lahore ✆ 6366817

قیمت: ۱۰۰ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت پاک ﷺ کی خوشبو

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِي التُّرَابِ اَعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ
نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَ فِيْهِ الْجُوْدُ وَ الْكَرَمُ

ترجمہ :- اے بہتر ان سب سے جن کے اجسادِ شریفہ خاک میں مدفون ہیں اور اُن کی خوشبو سے جنگل اور پہاڑ مہک گئے ہیں۔ میری جان اس پاک قبر پر فدا جس میں آپ ﷺ سکونت فرما ہیں۔ اس قبر شریف میں پرہیز گاری ہے اور اسی میں جود اور کرم ہے۔

(یہ نعتیہ اشعار روضہء رسالت مآب ﷺ کے مواجہ شریفہ کی جالیوں پر کندہ ہیں)۔

ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر

سیرت اکادمی

مکتبہ ء شال، 272-اے-او بلاک III سٹیلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ

ترتیب

انتساب

"سیرت پاک ﷺ کی خُوشبو" نہایت انکساری و عاجزی کے ساتھ باعثِ ایجادِ عالم ﷺ کے حضور پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

اَلصّلوٰۃُ وَ السّلام علیکَ یا رسُول اللہ
الصّلوٰۃُ وَ السّلام علیکَ یا حبیب اللہ
الصّلوٰۃُ وَ السّلام علیکَ یا خیر خلق اللہ
الصّلوٰۃُ وَ السّلام علیکَ یا رحمتہ للعالمین

سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بُروں کو جس نے فرمایا یہ میرے ہیں

مُصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

سلام اے آمنہ کے لال، اے محبوبِ سُبحانی
سلام اے فخرِ موجودات، فخرِ نوعِ انسانی

اپنے ربّ سے کیجئے مولیٰ دعا عرش سے ہو بارشِ لطف و عطا
ختم ہو دنیا سے ہر ظُلم و جفا رحم فرمائے زمانہ پر خُدا
صلی اللہ علیہ وعلیٰ و آلہٖ و صحبہٖ وسلم

سیّد الاوّلین وَ الآخرین ﷺ کا ایک بے نوا اُمّتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

باین پیری رہِ یثرب گرفتم نواخوان از سرورِ عاشقانہ
چو آن مرغے کہ در صحرا سر شام کُشاید پَر بہ فکرِ آشیانہ
(اقبال)

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شاعر اور ادیب جب اپنی فکر کی پختگی پر پہنچتے ہیں تو ان کے کلام میں عشقِ رسول ﷺ سے لبریز خیالات ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ سیرت النبی ﷺ اور اخلاقِ نبوی ﷺ ہی کی پیروی میں عالم انسانیت کی نجات دیکھنے کی حقیقت سے آشنا ہو جاتے ہیں، آخر ہم اھل اسلام نے جب مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور اسی کو ہی صراط مستقیم قرار دیتے ہیں تو پھر خلوص نیت و کردار و عمل سے اس جہان کو اور یہاں کے انسان کو امن و محبت کے رشتہ میں پرونے کے لئے سعی کیوں نہیں کرتے۔ ہم پر واضح ہے کہ ہمارا دین اسلام مکمل ضابطہء حیات کا حامل اور ہمارے نبی آخر الزمان ﷺ ھادی کامل و اکمل ہیں تو ہم پر کسی تذبذب اور خوف کا ماحول کیونکر مسلط رہے؟ ہمیں انہی (ﷺ) کے اتباع میں زندگی بسر کرکے زمرۂ لَایَحزَنُونَ میں شامل ہونا ہے۔

ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر ماشاء اللہ پچاس سے زائد کتابوں کے مصنّف ہیں اور ان کا بیشتر کام بلوچستان کے حوالوں سے وابستہ ہے۔ بلوچستان کے ادب، ثقافت اور معاشرت کا کوئی ایسا پہلو نہ ہو گا جس پر ڈاکٹر صاحب نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ وہ "نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک بلوچستان میں" کے موضوع پہلے ہی ایک کتاب شائع کر چکے ہیں اور اب ان کا فکر بھی اسی حقیقت سے آشنائی حاصل کر چکا ہے جہاں ہر طرح کے مسائل اور ہر عقدہ کے کشود کے لئے بہترین اور مستقیم راستہ پیغمبر اسلام ﷺ کے اتباع کا ہی نظر

آتا ہے۔ زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے۔ دراصل یہ ایسے عنوانات ہیں جن پر سینکڑوں مؤرخ، شاعر، فلسفی، صوفی، اور عشاق بہت کچھ لکھ چکے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ اور مقام رسول ﷺ کو سب سے زیادہ جاننے کا خالق دو جہان جل شانہ کے بغیر کوئی حق ادا نہیں کر سکتا اور ڈاکٹر صاحب نے بھی بالکل درست کہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نعت پر تو پورا قرآن حکیم موجود ہے جو رب العالمین کی زبان میں الہام ہوا ہے۔ البتہ ہم اس قدر کہنے کو تو حق بجانب ہو سکتے ہیں کہ ہمیں اپنی فلاح اور عالم انسانیت کی نجات کے لئے اسوۂ نبیؐ اکرم ﷺ کو حرزِ جان بنانا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی کتاب دراصل اسی مقصد کے حصول کی طرف ایک درخشاں قدم ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے جہاں حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارک کے پہلوؤں کو پیش کیا ہے تو وہاں پر وہ بڑے تعمیری انداز میں مباحث بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ بڑے اچھے فلسفیانہ انداز میں خیر اور شر کے محرکات پر بحث کرتے ہوئے اتباع رسولؐ ﷺ کو نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان کے کردار و عمل اور پیکر مجسم ﷺ کو خیر اور سلامتی کا باعث ثابت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سرکار دو عالم ﷺ کے ہر کردار اور طریق عمل کو بیان کر کے پھر ایک اچھے مؤرخ اور اچھے سوانح نگار یا سیرت نگار کی طرح نتائج بھی اخذ کرتے ہیں جو آج کی تحقیق پسند علمی دنیا میں بڑی افادیت کا باعث ہو گا۔ حضور رسالتماب ﷺ سے جو انتظامی امور اپنی مبارک زندگی میں واقع ہوئے ہیں ان کو بڑے خصوصی اہتمام سے اس کتاب میں پیش کر دیا گیا ہے۔ پھر ان انتظامی امور پر بڑے اچھے انداز و دلائل کے ساتھ تبصرہ بھی کیا گیا ہے جو قابل توجہ ہے اور قارئین کے لئے بلکہ عالم اسلام و عالم انسانیت کے لئے افادیت کا باعث ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس تمام کاوش پر غور کرنے سے اُن کی ایک واضح نیّت ہمارے سامنے کُھل کر آتی ہے کہ وہ عالمِ اسلام کو بالخصُوص اور عالمِ انسانیت کو بالعموم امن و سلامتی کے لئے سیرت النبّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہرہ ور ہونے کے لئے دعوت دے رہے ہیں، اور ان دلائل کے ساتھ کہ اس سے زیادہ پُختہ اور مکمل راستہ انسان کو میسّر نہیں آسکتا۔ وہ آج کی زبوں حال دُنیا میں نفاذِ اسلام کی اہمیّت کو پیش کرتے ہیں اور امنِ عالم کے قیام کے لئے واحد حَل قرار دیتے ہیں۔

6- مئی 1993ء

(پروفیسر، ڈاکٹر) سُلطان الطاف علیؒ
چیئرمین
بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ۔ کوئٹہ

مُحسنِ انسانیت ﷺ اور ہم

مسجدِ نبوی ﷺ ---- قدیم و جدید فنِ تعمیر کا ایک نادر اور جاذبِ دل و نگاہ
نہ ہے اور اس کا مجموعی تاثر اسلامیت سے مالا مال ہے۔ اس کی محرابیں، منبر،
نہ، ستون، مینار، فرش، دروازے، صفائی ستھرائی، آب زمزم کی باافراط فراہمی،
ی، میناکاری سب قابل دید اور کشش انگیز ہیں۔ اس کے غسلخانوں اور وضو خانوں
ظام اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کا زیر زمین ایئرکنڈیشنر دنیا کا سب سے بڑا ایئرکنڈیشنر
۔ اس میں ہوا اور روشنی کا انتظام لاجواب ہے۔ اس میں سال بھر عقیدت مندوں
ہجوم لگے رہتے ہیں جو ایام الحج میں اپنی انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں۔ دنیا کے کونے
نے سے آنے والے مسلمان، وفور شوق سے جوق در جوق اشکبار آنکھوں اور رقت
سے سلام پیش کرتے ہوئے روضۂ رسول ﷺ کے سامنے سے دیوانہ وار
رتے ہیں لیکن بمصداق۔

مارا گلے از رُوئے تو چیدن نہ گذارند
چیدن چہ خیال است کہ دیدن نہ گذارند

اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہما، ماذنۂ بلال رضی اللہ عنہ، منبر رسول ﷺ اور ریاض
پر شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہتے ہیں۔
لیکن جب یہ مسجد سن ایک ہجری میں تعمیر کی گئی تھی تو یہ بالکل سیدھی سادھی
تھی۔ محراب، منبر، چھت اور فرش سے بے نیاز۔ اس میں چراغ کی روشنی
تھی، نہ گرمی سردی سے بچاؤ تھا نہ بارش سے۔
لیکن اس میں جو ہستی متمکن تھی وہ بلا شک و شبہ دنیا کی عظیم ترین ہستی
۔ اتنی واسع الاخلاق کہ بد سے بدترین آدمی بھی ان کے پاس بیٹھ کر موم کی

ڈاکٹر صاحب کی اس تمام کاوش پر غور کرنے سے اُن کی ایک واضح نیّت ہمارے سامنے کُھل کر آتی ہے کہ وہ عالمِ اسلام کو بالخصُوص اور عالمِ انسانیت کو بالعموم امن و سلامتی کے لئے سیرت النبّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہرہ ور ہونے کے لئے دعوت دے رہے ہیں، اور ان دلائل کے ساتھ کہ اس سے زیادہ پُختہ اور مکمل راستہ انسان کو میسّر نہیں آسکتا۔ وہ آج کی زبوں حال دُنیا میں نفاذِ اسلام کی اہمیّت کو پیش کرتے ہیں اور امنِ عالم کے قیام کے لئے واحد حل قرار دیتے ہیں۔

6- مئی 1993ء

(پروفیسر، ڈاکٹر) سُلطان الطاف علیؒ
چیئرمین
بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ۔ کوئٹہ

مُحسنِ اِنسانیت ﷺ اور ہَم

مسجدِ نبوی ﷺ ---- قدیم و جدید فنِ تعمیر کا ایک نادر اور جاذبِ دل و نگاہ نمونہ ہے اور اس کا مجموعی تاثر اِسلامیت سے مالا مال ہے۔ اس کی محرابیں، مِنبر، مازینہ، ستون، مینار، فرش، دروازے، صفائی ستھرائی، آب زمزم کی باافراط فراہمی، صناعی، میناکاری سب قابل دید اور کشش انگیز ہیں۔ اس کے غسلخانوں اور وضو خانوں کا نظام اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کا زیرِ زمین ایئرکنڈیشنر دنیا کا سب سے بڑا ایئرکنڈیشنر ہے۔ اس میں ہوا اور روشنی کا انتظام لاجواب ہے۔ اس میں سال بھر عقیدت مندوں کے ہجوم لگے رہتے ہیں جو ایام الحج میں اپنی انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں۔ دنیا کے کونے کونے سے آنے والے مسلمان، وفور شوق سے جوق در جوق اشکبار آنکھوں اور رقت قلب سے سلام پیش کرتے ہوئے روضہء رسول ﷺ کے سامنے سے دیوانہ وار گذرتے ہیں لیکن بمصداق۔

مارا گُلے از رُوئے تو چیدن نہ گذارند
چیدن چہ خیال است کہ دیدن نہ گذارند

اصحابِ صفہ رضی اللہ عنھما، ماذنہء بلال رضی اللہ عنہ، منبر رسول ﷺ اور ریاض الجنتہ پر شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کے ٹھٹے کے ٹھٹ لگے رہتے ہیں۔

لیکن جب یہ مسجد سن ایک ہجری میں تعمیر کی گئی تھی تو یہ بالکل سیدھی سادھی عمارت تھی۔ محراب، منبر، چھت اور فرش سے بے نیاز۔ اس میں چراغ کی روشنی تک نہ تھی، نہ گرمی سردی سے بچاؤ تھا نہ بارش سے۔

لیکن اس میں جو ہستی متمکن تھی وہ بلا شک و شبہ دنیا کی عظیم ترین ہستی تھی--- اتنی واسع الاخلاق کہ بد سے بدترین آدمی بھی ان کے پاس بیٹھ کر موم کی

اتنی انسان دوست کہ ایک میلے کچیلے مزدور کے ہاتھوں کو مس کرتی تھی تو اس کی لکیریں شب چہار دہم کی شعاعوں کی طرح جگمگا اٹھتی تھیں۔

ایسی گیتی نواز کہ پوری روئے زمین کو اپنی مسجد قرار دیتی تھی۔

اتنی مقلل الکثیر کہ دشمنوں کے غول ان کے سامنے کھجور کی سوکھی ٹہنی کی طرح سٹر باتے تھے۔

اتنی مکثر القلیل کہ ان کے معدودے چند ساتھی ان کی قیادت میں گھنگھور گھٹاؤں کی طرح فضاؤں میں چھا جاتے تھے۔

ایسی مثبت اقدام کہ لوگوں کے اکھڑے ہوئے قدموں کو پہاڑ کی طرح جما دیتی تھی۔

ایسی مرابط القلوب کہ اپنے اصحاب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے دل اسلام سے ایسے جُڑے کہ آج دنیا بھر میں پھیلا اور پھیلتا ہوا اسلام انہی مینارہ ہائے نور کا آوردہ و پروردہ ہے۔

ایسی غالب الحال کہ بڑی سے بڑی کٹھنائی اور کڑی سے کڑی آزمائش بھی ان کے روبرو ہوتے ہی سسکنے لگتی تھی۔

اتنی باطن شناس کہ لوگوں کے نہاں خانہء قلوب میں رینگتے ہوئے ارمانوں کو بھانپ لیتی تھی اور انہیں پورا کر دیتی تھی۔

ایسی مدبر الامور کہ ان کے فیصلے اور اسالیب آج بھی دنیا بھر کے ماہرین، مدبرین اور نظم کاروں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

ایسی محیط الاوقات اور مستقبل شناس کہ وقت کا ہر دور ان کے فرمودات میں منعکس ہے اور وہ ہر دور کے ہمہ قسمی مسائل کا تیر بہدف حل اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

آج کی چمکتی دمکتی اور جگمگاتی مسجد نبوی ﷺ اسی ہستیء بے پایاں کا فیض ہے۔

آج کے عرب کی [illegible] ریل پیل اسی ہستیء بے کراں کا فیض ہے۔

وہ فرد واحد، وہ مردِ یکتا، وہ گوہر یک دانہ، وہ درِ یتیم، وہ محسن انسانیت ﷺ، آج کرۂ ارض کے سوا ارب انسانوں کی صورت میں رواں دواں ہے۔

کاش ہمیں، ہمارے قائدین، ناخداؤں، مدبروں، سیاستدانوں، قلمکاروں، فنکاروں، اہل فکر و نظر، اربابِ بست و کشاد، اہل الرائے، دانشوروں، ہم سب کو اس ہستی لازوال اس معبر جمال کی قربت نصیب ہو جائے اور ہمیں توفیق حاصل ہو کہ ہم اظہار عقیدت کے علاوہ اپنا ہر سوال اسی ہستی لامتناہی سے کریں، اپنا ہر مسئلہ انہی کے سامنے پیش کریں اور اپنا ہر معاملہ انہی کے سپرد کر دیں۔

اگر ایسا ہو سکے تو سر زمین پاکستان صحیح معنوں میں بلد الطیب بن سکتی ہے، خبیث و کثیف، شک و شرک اور شقاق و نفاق ملیا میٹ ہو سکتے ہیں اور رزق کریم اور زینت اللہ کا دور دورہ ہو سکتا ہے اور کرۂ ارض کی تقدیر بدل سکتی ہے!!! آمین، ثم آمین!!!

محسنِ انسانیت ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو اپنانا ہی "سیرتِ پاک ﷺ کی خوشبو" کا ماحصل ہے۔

مُعطّر ہے دو عالم یا محمّد ﷺ کیسی خُوشبُو ہے
کھلا ہے کیا کوئی حلقہ تری زُلفِ مُعنبر کا

۲۷/۴، اے ـ او
بلاک iii سٹیلائٹ ٹاؤن کوئٹہ
۲۷ ذی الحج ۱۴۱۳ھ / ۱۹ جون ۱۹۹۳ء

(پروفیسر محمّد انور رُومان)
سابق ناظم تعلیمات بلوچستان

حرف عقیدت

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ	کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
آپ ﷺ اپنے کمال کے باعث بلندی پر پہنچے	آپ ﷺ نے اپنے جمال سے اندھیروں کو دور کر دیا
حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِہٖ	صَلُّوا عَلَیْہِ وَآلِہٖ
آپ ﷺ کے تمام خصائل نہایت حسین ہیں	آپ پر اور آپکی آل پر درود و صلوات ہو

شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ نے سیّد البشر، امام الانبیاء، شفیع المذنبین، خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور مندرجہ بالا نذرانۂ عقیدت پیش کر کے دنیا و آخرت میں اپنا مقام بنا لیا ہے۔

باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: **وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ** (اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو رفعت بخشی۔ پارہ ۳۰، الانشراح : ۴) قرآن پاک میں آپ ﷺ کا اسم گرامی بطور منادیٰ نہیں پکارا گیا بلکہ بطور کنایہ **یا اَیُّھَا النَّبِیُّ، یا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ، یا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، یا اَیُّھَا الْمُدَّثِّر** سے یاد کیا گیا۔

ذکرِ حبیب ﷺ کی یہ سربلندی تاریخی ادوار، جغرافیائی قیود، اقوام و ملل کی تقسیم، رنگ و نسل کی تفریق اور زبان و ادب کے پیمانوں سے بہت زیادہ بالا ہے۔ خدائے قدوس وحدہ لاشریک کی حمد کے بعد دنیا بھر میں جس ہستی کی سب سے زیادہ تعریف و توصیف بیان ہوئی ہے وہ حضور پاک سرور کائنات ﷺ کی ذات والا صفات ہی ہے۔ اس زمرے میں کسی قوم، گروہ یا مذہب کی کوئی قید نہیں۔ کیونکہ غیر مسلم تک جناب رسالت مآب ﷺ کی شان میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ہندو شعراء میں چودھری دلو رام کوثری نے جو خود کو فخریہ انداز میں اردو کا حسان بن ثابت سمجھتے تھے۔ نعتیہ اشعار رسمی طور پر نہیں بلکہ عقیدت کے لحاظ سے کہے ہیں جیسے۔

کچھ عشق پیمبر میں نہیں شرط مسلماں
ہیں کوثری ہندو بھی طلبگار محمد ﷺ

قیامت کے دن جب تمام مخلوقات کو ختم کر دیا جائے گا تو کوئی کسی کا ذکر کرنے والا نہ ہو گا مگر اللہ کے حبیب کا ذکر اس وقت بھی ہو رہا ہو گا کیونکہ آپ ﷺ کا ذکر کرنے والا خود خدا ہے جو حی و قیوم ہے ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس کا وعدہ ہے **اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ** ط (سورہ احزاب پارہ ۲۲ آیت ۵۶)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: **من صلی علی صلوٰۃ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا** (جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے) (مسلم و ابوداؤد)

نسائی شریف میں ہے۔ حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلواۃ و السلام نے فرمایا: "**اِن اللّٰہ ملئکتہ سیا حین یبلغو نی من اُمتی السّلام**" (اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو پھرتے رہتے ہیں' سیاحت کرتے رہتے ہیں اور میری امت کی طرف صلوٰۃ و سلام کے تحفے مجھے پہنچاتے رہتے ہیں)۔ جو شخص روضہ اطہر کے پاس کھڑے ہو کر درود بھیجتا ہے حضور علیہ السلام خود درود کو سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ کبریت احمر میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو جتنا زیادہ درود پڑھتا ہے' وہ اسی قدر میرے قریب ہوتا ہے۔"

ایک مرتبہ کافروں کی ٹولی ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک سائل آیا اور ان سے کچھ مانگا' انہوں نے بطور تمسخر کہا: تم علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ' وہی کچھ دیں گے۔ وہ فقیر بے نوا! حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گیا اور اپنی حاجت بیان کی کہ تہی داماں ہوں' کچھ عطا کیجئے۔ آپ کے پاس اس وقت بظاہر کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ اسے دیتے لیکن جان گئے کہ یہ کافروں کی شرارت ہے۔ آپ نے دس بار درود پاک پڑھ کر فقیر کی ہتھیلی پر پھونک دیا اور فرمایا کہ اسے بند کر لو' ان کافروں کے پاس جا کر کھولنا۔ اس نے

کافروں کے پاس پہنچ کر ہتھیلی کھولی تو سونے کے دیناروں سے بھری ہوئی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر کئی کافر مسلمان ہو گئے۔

عربی کا سب سے زیادہ مشہور قصیدہ "قصیدۂ بردہ" ہے۔ جس کے مصنف امام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ پر فالج کا حملہ ہوا۔ علاج سے آرام نہ آیا۔ بارگاہ رسالت ﷺ کی طرف رجوع کیا۔ قصیدہ اور دعائیں مقبول ہوئیں اور صحت یاب ہو گئے۔ قصیدے میں جذبات کا اتار چڑھاؤ اور بات کرنے کا بہترین قرینہ اور سلیقہ قابل توصیف ہے۔ ایک شعر یہ ہے:

مَولایَ صَلِّ وَسَلِّم دَائِماً اَبَداً
عَلیٰ حَبِیبِکَ خَیرِ الخَلقِ کُلِّھِمِ

(اے رب ذوالجلال تمام مخلوق سے بہتر اپنے حبیب پر ہمیشہ درود و سلام بھیج)۔

سعادت الدارین میں بحوالہ آب کوثر مندرج ہے کہ ایام حج میں فرزندان توحید مناسک ادا کرنے میں مصروف ہیں۔ ایک شخص مستانہ وار طواف کعبہ، لمس حجر اسود اور سعی صفا و مروہ کرتے ہوئے حضور پاک سرور کونین ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ درود و سلام پیش کرتا ہے۔ منیٰ و عرفات میں بھی اسی پر عمل پیرا رہتا ہے۔ حالانکہ ہر مقام کی جدا جدا دعائیں اور مناجات ہیں۔ اس انوکھے اور حیران کن انداز پر پوچھنے پر کہا:

"میں اپنے والد کی ہمراہی میں خراسان سے حج کے لئے آ رہا تھا، کوفہ پہنچے تو والد بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ کپڑے سے اس کا چہرہ ڈھانپ دیا گیا۔ کچھ دیر بعد دیکھا تو اس کا چہرہ گدھے کا بن چکا تھا۔ سخت پریشان ہوا۔ اتنے میں ایک پیکر جمال، مجسم کمال ہستی آئی۔ میرے باپ کے چہرے سے کپڑا سرکایا، ایک نظر ڈالی اور پھر کپڑا ڈال دیا۔ مجھ سے فرمایا: "گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ رب ذوالجلال نے تیرے باپ پر فضل و کرم فرمایا ہے۔" اب جو کپڑا سرکا کر مجھے دکھایا تو چہرہ بالکل درست تھا اور اس سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ جب وہ جانے لگی تو عرض کی، آپ کون ہیں اور یہ مہربانی کیسی؟"

فرمایا: "میں محمد مصطفیٰ (ﷺ) ہوں۔" سرکار دو عالم ﷺ کے حضور اپنے

آپ کو پا کر میری مسرتوں کی انتہا نہ رہی۔ عرض کی "حضور ایسا کیوں ہوا؟" فرمایا "تیرا باپ سود خور تھا' اس لئے اس کا چہرہ بدل گیا مگر اس کی یہ عادت تھی کہ سونے سے پہلے وہ مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا کرتا تھا۔ مرنے سے پہلے اس نے مصیبت میں مجھے یاد کیا۔ چنانچہ میں اطلاع پا کر اس کے پاس آ پہنچا۔"

یہ امر برحق ہے کہ حبیب خدا' فخر دو جہاں' شفیع المذنبین ﷺ کی سیرت پاک کا ایک ایک واقعہ ہماری رہنمائی کے لئے محفوظ ہے۔ آپ ﷺ کی ذات سے والہانہ عقیدت جیسے ؎

مَرحبا سیّدی مَکّی مَدنیُ العَربی   دِل و جاں بَاد فِدائت چہ عجب خُوش لقبیِ

نسبتِ خُود بہ سگت کردم و بس مُنفعلم   زاں کہ نسبت بہ سگِ کُوئے تو شُد بے ادبی

کے ساتھ آپ ﷺ کے کمالات اور کارناموں پر زور دینا نہایت ضروری ہے ؎

اِمتیازاتِ نَسَب را پاک سوخت

آتش او ایں خَس و خاشاک سوخت

در شُبستانِ حِرا خِلوت گزید

قوم و آئین و حکومت آفرید

"سیرتِ پاک ﷺ کی خُوشبُو" مجھ گیاہ ضعیف کے مختلف مضامین کو لئے ہوئے ہے۔ جو ہادیٔ برحق ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر مبنی ہیں۔ ان میں اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ موجودہ ابتلاء کے دور میں ہم سیرت پاک ﷺ سے کس طرح اور کیونکر رہنمائی حاصل کر کے اور اس کی دائمی خوشبو پھیلا کر دین و دنیا میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید کا خلاصہ ایک بزرگ نے یوں بیان کیا ہے:

"اللہ کو عبادت سے' رسول ﷺ کو اطاعت سے' مخلوق کو خدمت سے راضی رکھو۔"

از کلیدِ دین درِ دُنیا کشاد

ہمچو او بطن ام گیتی نزاد

باری تعالیٰ کا ان گنت شکر ہے۔

مِری زندگی کا سفر فقط، تِری رحمتوں کی تلاش ہے
تری رحمتیں ہیں کہ شش جہت سے پکارتی ہیں بیا، بیا

اور سید العالمین حضور پاک سرور کائنات ﷺ کی رحمت کاملہ کا ظہور ہے۔

اُن کی شوبھا، شوبھا ساری
اُن کی خوشبو، کیاری کیاری
دو جگ میں ان کی سرداری
سب چاکر بے دام
لیجو محمّد ﷺ نام، بگڑے بنیں سب کام

کہ اتنا عظیم اور ارفع کام "سیرت پاک ﷺ کی خوشبو" مجھ جیسے انتہائی گنہگار اور پرکاہ سے کمتر بندے سے لے لیا۔

ان بیکراں اور جیتے لمحات (ع جیتے ہو تو جیتے ہوئے لمحوں کو بھی دیکھو) میں مجھے اپنے بزرگوں (خصوصاً جد امجد میاں غیاث الدین اور ان کے مرشد حضرت پیر سائیں توکل شاہ رحمتہ اللہ علیہ، والد بزرگوار میاں محمد مقبول اور ان کے مرشد شمس الکونین ابوسعد محمد عبدالخالق نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ، قادری، چشتی، تایا جان میاں مشاہدین، نانا جان میاں غلام محمد، ماموں صاحبان جناب سردار محمد ریاض، جناب لطیف اسلم جالندھری، حافظ فضل احمد، جناب رشید احمد، نانی حضور، والدہ محترمہ اور برادر بزرگوار پروفیسر محمّد انور رومان) استادوں (مثلاً الحاج چودھری رحمت علی نازش، پروفیسر آغا صادق، پروفیسر عابد علی عابد، پروفیسر صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم، پروفیسر علم الدّین سالک، پروفیسر ڈاکٹر سیّد عبداللہ، پروفیسر ڈاکٹر محمّد باقر، پروفیسر ڈاکٹر عبدالشکور احسن) اور محسنوں (جیسے سُلطان العصر حضرت پیر غُلام دستگیر القادری از خانوادۂ سُلطان العارفین حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ، جناب سیّد احمد حسنی از خانوادۂ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مولانا ابوضیاء علامہ ڈاکٹر کرم الٰہی مراد چودھری حنفی چشتی قادری بی۔اے (علیگ) خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ، پروفیسر ڈاکٹر محمّد مسعود احمد خلف الرّشید حضرت شاہ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی،

سَعید الملّت محترم حکیم مُحمّد سعید اور حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری رحمتہ اللہ علیہ) کی دلی دعائیں (خاص کر محترمہ والدہ ماجدہ کی جو عالم شکستگی اور نیم خوابی میں اس ہیچمداں اور میرے اہل و عیال کے حصہ میں آتی تھیں)۔

در ضمیرش ممکناتِ زندگی از تب و تابش ثباتِ زندگی
اوجِ ما از ارجمندِ ثیہائے او ماہمہ از نقش بندیہائے او

یاد آ رہی ہیں۔

"سیرت پاک ﷺ کی خوشبو" کی اشاعت کے سلسلے میں جن ساتھیوں' دوستوں اور عزیزوں نے معاونت فرمائی ان کا دل کی عمیق گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

طباعت کا مرحلہ بخیر و خوبی منزل مراد تک پہنچا۔ اس کا سہرا عزیز محترم جناب سُلطان ارشد القادری اور خواجہ جِی کے سر ہے۔ دونوں ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔

بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ باری تعالیٰ اپنے عظیم ترین شاہکار فخر کونین ہادیء برحق ﷺ کے طفیل امت مسلمہ پر اپنی رحمت نازل فرمائے' سب کی مشکلات دور کرے اور سب کو اپنے احکامات اور نبی پاک ﷺ کے اسوہَ حسنہ (جس کی خوشبو چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے) پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ آمین

وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیہِ تَوَکَّلتُ وَاِلَیہِ اُنِیبُ' وَھُوَ حَسبِیَ وَنِعمَ الوَکِیلُ'
رَبَّنَا تَقَبَّل مِنَّا اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ (آمین)
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اَنزِلہُ المُقعَدَ المُقَرَّبَ عِندَکَ یَومَ القِیَامَتِہ

مُحمّد انعام الحقّ کوثر

سیرت اکیڈیمی
۲۷۲' اے۔ او' بلاک iii
سٹیلائٹ ٹاؤن' کوئٹہ
۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ / ۳۱ اگست ۱۹۹۳ء

ذکرِ محمد ﷺ لب پہ آئے گوہر سانس میں خوشبو پائے
نامِ محمد ﷺ دل کی راحت، کہتی جائے دھڑکن دھڑکن

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

سابق ناظمِ تعلیمات
ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم
بلوچستان، کوئٹہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احترامِ بچہ

ہمارے یہاں حقوق الاطفال کا احساس یا شعور نہ ہونے کے برابر ہے۔ کثیرالاولاد غریب طبقہ اپنی معاشی الجھنوں اور جہالت کی وجہ سے ان سے بے خبر ہے اور امیر طبقہ بیرون خانہ اتنا مصروف ہے کہ اسے اندرون خانہ حقوق و فرائض سے برائے نام ہی تعلق ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ امیر بیگمات اپنے آپ کو حسین و جوان رکھنے اور اپنی دولت کی نمود و نمائش کے لئے اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلانے کی بجائے درآمد شدہ ڈبوں کا دودھ پلاتی ہیں۔ جس کے لئے بوتل پستان مادر کا کام دیتی ہے۔ غریب عورتیں بڑے طبقے کی تقلید میں اس عادت کو بطور فیشن اختیار کر لیتی ہیں۔ چنانچہ دیہات، قصبات اور شہروں کی کچی آبادیوں میں ۸۰ فیصد عورتیں شروع میں بچوں کو اپنا دودھ دیتی ہیں لیکن دو ماہ بعد وہ ۳۰ فیصد اور چار ماہ بعد صرف ایک فیصد رہ جاتی ہیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں ایک کروڑ ڈالر سالانہ کا دودھ درآمد کرنا پڑتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں سالانہ ساڑھے چار لاکھ لقمۂ اجل ہونے والے بچوں میں سے دو لاکھ یعنی پنتالیس فیصدی صرف اسی درآمد کردہ دودھ کی پیدا کردہ بیماریوں کی نذر ہوتے ہیں۔ کچھ زیادہ دور کی بات نہیں جب ہمارے ہاں مائیں اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلاتی تھیں جو مطابقت اور غذائیت کے اعتبار سے بچوں کے جسمانی و ذہنی ساخت کے لئے اکسیر ہوتا تھا لیکن اب وہ زمانے گزر گئے۔ تعلیم و ترقیات کے پھیلاؤ نے ہمیں ایک طرف اپنی مسلمہ عادات و روایات سے بیگانہ کر دیا تو دوسری طرف جعلیات کا رسیا بنا دیا۔ شیر مادر بچے کے اولین حقوق میں سے تھا مگر اسے بری طرح نظر انداز کر دیا گیا۔

اس ایک مثال سے بچوں کے متعلق ہمارا سماجی رویہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ

ہے کہ یہ رویہ سراسر مجرمانہ ہے۔ ہم نہ بچے کو وہ پیار دیتے ہیں جس کا وہ مستحق ہے اور نہ وہ احترام جس کا وہ متقاضی ہے۔ انسانی معاشرہ تین نسلوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ سابقہ نسل یعنی دادا دادی اور نانا نانی موجودہ نسل یعنی والد اور والدہ اور آئندہ نسل یعنی بچہ اور بچی۔ پچیس سال پہلے سابقہ نسل موجودہ نسل تھی اور موجودہ نسل آئندہ یا نئی نسل تھی۔ پچیس سال بعد موجودہ نسل سابقہ نسل بن جائے گی اور نئی نسل موجودہ نسل میں ڈھل جائے گی۔ گویا انسانی معاشرے کی ایک مثلث اصل میں تین ہم مرکز نقطوں سے بنتی ہے اور یہ اندازاً" پچھتر سال یا زیادہ سے زیادہ ایک صدی کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔
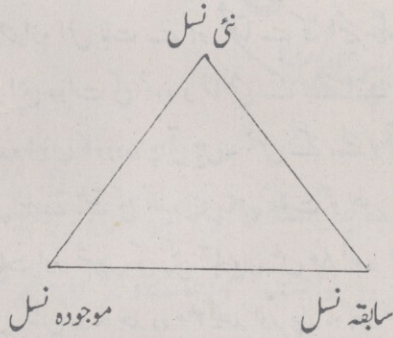
پرانی نسل نے موجودہ نسل کو جنم دیا ہے اور موجودہ نسل نئی نسل کو وجود میں لاتی ہے اور یوں بقائے نسل کا یہ سلسلہ ابد تک جاری و ساری رہے گا۔ کسی معاشرے کا تصور ان تینوں نسلوں کے بغیر ناممکن ہے۔ موجودہ نسل کے ساتھ ساتھ پرانی اور نئی نسل کا وجود بھی لابدی اور ناگزیر ہے۔ گویا انسانی معاشرے کی تشکیل و ترکیب کا ایک تہائی حصہ لازماً" بچوں پر مشتمل ہوتا ہے لہٰذا اس کی اہمیت سے انکار ناممکن ہے۔

بچے میں فطرت نے جبلتیں رکھی ہیں جو اسے سیکھنے میں مدد دیتی ہیں۔ ایک ابتدائی جبلت بچے کی قوت تقلید ہے۔ جس کے بل بوتے پر وہ اپنے قریب ترین ماحول یعنی والدین کی نقل کرتا ہے اور نقل کے عمل سے گزرتے گزرتے وہ بہت کچھ سیکھ جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں بچہ والدین کا صرف جسمانی نقش ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کا ذہنی نقش بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا والدین کی عزت نفس کا تقاضا ہے کہ وہ بچے کا احترام

کریں۔ بچہ قدرت کا ایک انعام ہی نہیں بلکہ قدرت کا فراہم کردہ آئینہ ہے۔ جس میں وہ اپنے آپ کو دیکھ سکتے ہیں۔

انسان کسی حالت میں زمان یا وقت کی گرفت سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس کا سفر زندگی بہر طور وقت کی آغوش میں طے ہوتا ہے۔ وہ ماضی سے برآمد ہوتا ہے۔ حال میں رواں دواں رہتا ہے اور لحہ بہ لحہ مستقبل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ سابقہ نسل ماضی کی نمائندہ ہوتی ہے۔ موجودہ نسل حال کی اور نئی نسل مستقبل کی۔ چونکہ ماضی گزر چکا اور حال تیزی سے گزر رہا ہے۔ لہٰذا انسان کے لئے وقت کا محفوظ ترین سرمایہ مستقبل ہی ہے۔ اسکی امیدوں، امکانات، عزائم اور منصوبہ جات کا حامل اور مرکز! بچہ مستقبل کا بہترین انسانی روپ ہے اس لئے وہ قابل احترام ہے۔

بچہ جہاں اپنے والدین یا آباؤ اجداد کا عکس ہوتا ہے وہاں قدرت اپنے اصول تنوع کے تحت اسے کبھی محض اس کی نقل یا ثنیٰ نہیں بننے دیتی۔ اگر خدا نخواستہ ایسا ہوتا تو انسان محض نقل در نقل ہی بن کر رہ جاتے۔ زندگی سپاٹ ہو جاتی اور تہذیب و تمدن ایک جاں گداز اور روح گسل تسلسل بن جاتے اور جمود و خمود کی نذر ہو جاتے! اسی لئے قدرت ہر بچے میں اسکے آبائی خصائص کے علاوہ اس میں لازما" اوریجنل (خلقی، طبع زاد) خصائص بھی رکھتی ہے تاکہ انسانی زندگی کا رنگ و آہنگ اور تہذیب و تمدن کا بوقلمونی تانا بانا قائم رہے۔ لہٰذا بچہ قابل احترام ہوتا ہے۔ بچے کو سکھانے کا مؤثر ترین انداز یہ ہے کہ جو کچھ ہم اسے سکھانا چاہتے ہیں وہ پہلے ہم خود سیکھیں۔ صرف زبانی تلقینات و اعلانات اور محروم عمل نعروں اور تقریروں سے بچہ کبھی کچھ نہیں سیکھتا بلکہ وہ الٹا ان اقدار کے خلاف بغاوت کر دیتا ہے جو اسے یوں سکھائی جاتی ہیں اور ایسے نصیحت کاروں کو بھی بنظر حقارت دیکھنے لگتا ہے۔ اسی لئے حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۷۸ تا ۱۱۶۶ء) نے فرمایا: "نصیحت وہی کارگر ہوتی ہے جو عمل کی زبان سے ہو" چونکہ احترام معاشرتی زندگی کا ایک لازمہ ہے لہٰذا بچے کو احترام سکھانا ہو تو وہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ بچے کا احترام کیا جائے۔

بچہ قدرت اور فطرت انسانی کا مجلا ترین اور مصفا ترین مظہر ہے جس پر ابھی لالچ

کا سایہ نہیں پڑا اور گناہ کی گرد نہیں بیٹھی اور جس میں نفرت کا لاوا ابھی نہیں پھوٹا لہٰذا وہ واجب الاحترام ہے۔ بچے کے مشاہدہ و مطالعہ سے بالغ نسل اپنا تجزیہ و تزکیہء نفس کر سکتی ہے اور اس کی تقلید کرکے اپنے بہت سے مصائب و معائب کا مداوا کر سکتی ہے۔ اسی لئے حکیم جالینوس (۱۳۰ تا ۲۱۰ء) نے فرمایا بچوں کی یہ چار عادتیں اگر بڑوں میں پیدا ہو جائیں تو وہ ابدال بن جائیں۔ اول یہ کہ اگر انہیں کسی سے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ کسی سے اس کی شکایت نہیں کرتے۔ دوم یہ کہ وہ اپنے کھانے پینے کی فکر نہیں کرتے۔ سوم یہ کہ جو چیز انہیں ملتی ہے اسے دوسرے روز کے لئے نہیں بچاتے اور چہارم یہ کہ جب باہم لڑتے ہیں تو کینہ نہیں رکھتے!"

مندرجہ بالا پیروں میں احترام بچہ کے سلسلہ میں جو نکات بیان کئے گئے ہیں وہ خدا نخواستہ ناقابل عمل نہیں ہیں بلکہ دنیا کے عظیم ترین انسان اور پیغمبر حیات و انقلاب حضرت محمدؐ مصطفیٰؐ نے انہیں عملی طور پر اپنایا اور ثابت کر دیا ہے۔ ذیل میں حضور پاک سرور کائنات کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ موضوع روز روشن کی طرح واضح ہو سکے!!

ایک روز اُم قیس بنت محصن اپنا شیر خوار بچہ آپ کی خدمت اقدس میں لائی۔ آپ نے اس بچہ کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے اس پر پانی بہا دیا اور کچھ نہ کہا۔ جابر بن سمرہ صحابی تھے۔ وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اکرم کے پیچھے نماز ظہر ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ دولت خانہ کو تشریف لے گئے۔ میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں بچے ملے۔ آپ نے ہر ایک کے رخساروں پر دست شفقت پھیرا اور میرے رخساروں پر بھی پھیرا۔ میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک سے ایسی خوشبو پائی کہ گویا آپ نے اپنا دست مبارک عطار کے صندوقچہ سے نکالا تھا۔

ایک روز آپ حضرت حَسن بن عَلی کو بوسہ دے رہے تھے۔ اقرع بن حابس تمیمی آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ دیکھ کر کہنے لگے کہ میرے دس لڑکے ہیں۔ میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔" آپ نے فرمایا: "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں

کیا جاتا۔"

حضور اکرم ﷺ جب نماز پڑھاتے تھے تو اس زمانے میں عورتیں بھی باجماعت نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آیا کرتی تھیں۔ بعض عورتوں کے چھوٹے بچے بھی ساتھ ہوتے۔ اگر نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تو آپ ﷺ بچے اور ماں کی تکلیف کا خیال کر کے نماز مختصر کر دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عبدالرحمن بن زبیر سے مروی ہے کہ اہل بیت نبوی میں امام حسن رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے شکل و صورت میں سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ میں نے بارہا دیکھا کہ حضور پاک ﷺ حالت سجدہ میں ہوتے اور امام حسن رضی اللہ عنہ اس وقت آجاتے اور آپ ﷺ پر سوار ہو جاتے۔ آپ ﷺ بھی سجدہ لمبا کر دیتے۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ آپ ﷺ رکوع میں ہوتے تو امام حسن رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی ٹانگوں میں لپٹ جاتے۔ حضور پاک ﷺ پاؤں پھیلا دیتے تاکہ دوسری طرف نکل جائیں۔ کیا شان محبت ہے ایک طرف بچے کی معصومیت اور دوسری جانب حضور اکرم ﷺ کی دلداری ملاحظہ ہو۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے لئے ایک بار ہادی برحق ﷺ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے جس سے ان کی محبت کا اندازہ ہو سکتا ہے:

وَ اِنَّہٗ رَیْحَانِیْ مِنَ الدُّنْیَا : دنیا میں وہ تو میرا پھول ہے۔

ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ منبر پر خطبہ فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ نے دیکھا امام حسین رضی اللہ عنہ جو ابھی چلنا ہی سیکھے تھے، افتاں و خیزاں سرور کائنات ﷺ کی طرف آرہے ہیں۔ آپ ﷺ یہ کیفیت دیکھ کر بہ تقاضائے محبت نہ رہ سکے۔ منبر سے اتر کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انہیں اٹھایا اور منبر پر اپنے ساتھ بٹھالیا۔

سیدنا رسول اللہ ﷺ اپنے نواسوں امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو کندھوں پر اٹھا لیتے اور فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا

اے خدا! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں۔ تو بھی ان سے محبت فرما اور جو

کوئی ان دونوں سے محبت رکھے ان سے بھی تو محبت فرما۔

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی سفر سے تشریف لاتے تو آپ ﷺ کے اہل بیت کے بچے خدمت شریف میں لائے جاتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کسی سفر سے تشریف لائے تو پہلے مجھے خدمت شریف میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے آگے سوار کر لیا۔ پھر حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے دو بیٹوں میں سے ایک لائے گئے آپ ﷺ نے ان کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ اس طرح تینوں ایک سواری پہ داخل مدینہ ہوئے۔

فتح مکہ کے دن خاتم الانبیاء ﷺ مکہ میں تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں قثم اور فضل کو اپنی سواری پر آگے پیچھے بٹھا لیا۔ صحیح بخاری میں مندرج ہے کہ رسول مقبول ﷺ کا معمول تھا کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے بٹھاتے۔ علاوہ ازیں جب آپ ﷺ کا گزر بچوں کے پاس سے ہوتا تو آپ ﷺ ان کو خود سلام کہا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ جو ابھی دودھ پیتے بچے ہیں' انتقال فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ انہیں پیار سے گود میں اٹھا لیتے ہیں۔ آپ ﷺ کی آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں اور منہ سے یہ کلمات نکلتے ہیں:

وَاِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرَاہِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ تَبْکِی الْعَیْنُ وَیَحْزُنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ مَا یُسْخِطُ الرَّبَّ ○

(اور تحقیق تیری جُدائی میں اے ابراہیم! آنکھ میں نم ہے' دل میں غم ہے مگر کوئی بات ایسی نہ کہیں گے جو ربّ کو ناپسند ہو)۔

ہادیء اسلام ﷺ کو اپنی بیٹی اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت تھی۔ ان کی وفات کے بعد وہ سرور کائنات ﷺ کو یاد آتیں' آنکھیں پُرنم ہو جاتیں۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ' اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ایک مرتبہ

حضرت ابورافع بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کا چچا جو کہ لڑکپن میں انصار کے نخلستان میں جاتا اور درختوں پر ڈھیلے مارتا، اسے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بغرض دعا لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "لڑکے تو درختوں پر ڈھیلے کیوں مارتا ہے؟" اس نے کہا "کھجوریں کھانے کے لئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ڈھیلے نہ مارا کرو، کھجوریں جو نیچے گری ہوں کھا لیا کرو۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور یوں دعا فرمائی: "خدایا! اس کا پیٹ بھر دے۔" پھر اسے کھجوریں توڑنے کا خیال ہی نہ آیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فصل کا کوئی پھل پکتا تو لوگ اسے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر دعا پڑھتے۔ بچے جو حاضر خدمت ہوتے ان میں سے سب سے چھوٹے بچے کو وہ پھل عنایت فرماتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی۔ اسکے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔ اس نے مجھ سے کچھ مانگا۔ اس وقت میرے پاس صرف ایک کھجور تھی۔ میں نے وہی دے دی۔ اس نے دونوں لڑکیوں میں تقسیم کر دی۔ پھر وہ چلی گئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے یہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جس شخص کے ہاں لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی پرورش اچھی طرح کرے، تو وہ آتش دوزخ اور اس کے درمیان حائل ہو جائیں گی۔"

ام خالد بنت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ قرشیہ امویہ کے والدین ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ یہ وہیں پیدا ہوئیں اور لڑکپن میں وہاں سے مدینہ آ گئیں۔ حضرت زبیر بن العوام کے ساتھ بیاہی گئیں، جن سے ایک لڑکا خالد نام کا پیدا ہوا، اس سبب سے انکی کنیت ام خالد ہوئی۔ اس کا بیان ہے کہ ایک روز میں اپنے والد کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، زرد رنگ کا کرتا میرے بدن پر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا سنہ سنہ (حبشی زبان میں حسنہ کو کہتے ہیں) میں خاتم نبوت سے کھیلنے لگی۔ میرے باپ نے مجھے جھڑک دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کھیلنے دو۔" پھر تین بار فرمایا "تو اس کو پہن کر پرانا کرے۔"

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جس شخص کے ہاں کوئی بچی پیدا ہوئی اور

اس نے اسے جاہلیت کے طریقے پر زندہ دفن نہ کیا اور نہ ہی اسے حقیر جانا اور نہ لڑکوں کو اس کے مقابلے میں ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا۔"

حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں، بہت پیار فرمایا کرتے تھے، انہیں گود میں اٹھا لیتے اور فرماتے "اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اَھْلِیْ" (مجھے یہ اہلبیت میں سب سے پیاری ہے) ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامہ رضی اللہ عنہا کو گود میں لیتے ہوئے نماز پڑھی۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں امامہ رضی اللہ عنہا کی محبت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہو رہے تھے تو انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں سے نکل کر گیت گا رہی تھیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا، فرمایا "اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہو۔" سب نے کہا "ہاں یا رسول اللہ!" فرمایا۔ "میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم سنی میں بیاہ کر آئی تھیں۔ محلّہ کی لڑکیوں کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو لڑکیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ کر کے ادھر ادھر چھپ جاتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تسکین دیتے اور کھیلنے کو کہتے۔

ایک شخص ہادیء اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ہم اہل جاہلیت اور بت پرست تھے۔ اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے۔ میرے ہاں ایک لڑکی تھی، میں نے اسے بلایا، وہ خوشی خوشی میرے پیچھے آئی۔ جب میں اپنے اہل کے کنوئیں پر پہنچا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں گرا دیا۔ وہ ابا ابا کہتی تھی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ قصہ مجھے پھر سناؤ۔" اس شخص نے دہرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہو گئی۔

ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے موقع پر گزر رہے تھے۔ ایک بچے کو مایوسی کی حالت میں روتے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے سے رونے کی

وجہ دریافت فرمائی۔ بچے نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ میرے والد فوت ہو چکے ہیں' سب بچے آج خوشیاں منا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میں تمہارا والد ہوں۔" اپنے ہمراہ گھر لے گئے اور اسے صاف ستھرے کپڑے پہنائے۔

ایک روز حضور پاک ﷺ نے ایک بچے کو دیکھا کہ اسکے سر پر بہت بھاری بوجھ تھا جس سے وہ دبا جا رہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے بوجھ لے لیا اور اپنے کندھوں پر رکھ لیا۔ اس کے ساتھ منزل مقصود کی طرف چلے۔ آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے۔ "جب تم کو کوئی مشکل پیش آئے مجھے یاد کر لیا کرو۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک غلام زید نامی تھا۔ حضور پاک ﷺ اس کے ساتھ بچے کا سا سلوک فرماتے۔ آپ ﷺ خود اسکی حفاظت کرتے اور نہایت احتیاط سے اسکی پرورش کرتے۔

ایک دن سرور کائنات نے ایک چھوٹے بچے کو سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے پایا۔ سردی سے بچاؤ کے لئے اس کے پاس کپڑے تک نہ تھے۔ وہ ایک یتیم اور غلام تھا۔ اس کا آقا اس پر ظلم کرتا تھا۔ اس مظلوم بچے کی داستان غم سن کر آپ ﷺ کے رخسار مبارک پر آنسو بہنے لگے۔ آپ ﷺ نے اسے پیار سے سہلایا۔

یہ محبت اور شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آکر مارے گئے۔ محسن انسانیت پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے۔ ایک صاحب نے کہا۔ "یا رسول اللہ ﷺ! وہ مشرکین کے بچے تھے۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں' !بچوں کو قتل نہ کرو' خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔

ان واقعات سے سرکار دو جہاں ﷺ کا وہ انداز زندگی روز روشن کی طرح نکھرا ہوا سامنے آتا ہے کہ جس کے باعث آپ ﷺ چھوٹے چھوٹے بچوں میں تشریف فرما ہوتے' ان سے انتہائی شفقت و محبت کا اظہار کرتے' کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ گفتگو فرماتے' انہیں دیکھ کر سلام میں پہل کرتے' ان کے دکھ درد کو اپنا سمجھتے اور ان کے

حلقہ میں پہنچ کر آپ کی شان رحمت یوں ظاہر ہوتی کہ بچے اپنے شفیق و مہربان والدین کی شفقت و مہربانی کو فراموش کر بیٹھتے اور انہیں رحمتہ للعالمین کی لاثانی محبتوں سے بھرپور برتاؤ سے یہ احساس ہوتا کہ آپ ہی ان کے مہربان' ضرورت پوری کرنے والے اور نگہبان ہیں اور وہ آپ ہی کی آغوش عاطفت میں پروان چڑھنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی تعلیمات کے مثبت اور تعمیری اثرات ان گنت واقعات کی صورت میں صفحہء قرطاسِ پر یوں مرتسم ہوئے ہیں کہ ع

کرِشمہ دامنِ دِل می کشد کہ جا اِینجاست

ایک واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ ایک راستے سے گزر فرما رہے تھے کہ آپ کی نگاہ ایک ایسے لڑکے پر پڑی جو راہ گزر کی مٹی سے کھیل رہا تھا۔ آپ اسے نظر انداز فرماتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور وہ کمسن لڑکا حسب سابق مٹی کے ساتھ کھیلنے میں مصروف رہا۔

آپ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ آپ کے احساس کو کسی غیبی طاقت نے جھٹکا دیا۔ دل و دماغ میں اسلام کی ہمہ گیریت کے نقوش تیزی کے ساتھ ابھرے' جن کی روشنی میں امام الانبیاء ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک واقعہ سرگوشیاں کرتا ہوا نظر آیا اور یوں عبداللہ بن مبارک پیچھے مڑنے پر مجبور ہوئے۔ اب جب آپ اس خاک آلودہ بچے کے پاس پہنچے تو سنت نبوی ﷺ کے پیش نظر اس کو سلام کیا۔ جواب ملا وعلیکم السلام یا عبداللہ بن مبارک۔ عبداللہ بن مبارک (متحیر ہو کر) بولے۔ "بچے تو نے کیسے جانا کہ میرا نام عبداللہ ہے؟" (لڑکا...... مسکرا کر) "میں آپ کے نام سے ازل کے روز ہی سے واقف ہوں۔" عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ نے لڑکے کے پرنور چہرہ کی جانب توجہ کی تو انہیں اس کی پیشانی پر معرفت کی جھلک دکھائی دی اور معلوم ہوا کہ یہ بچہ آگے چل کر معرفت و طریقت کا آفتاب و مہتاب بن کر چمکے گا اور دنیا کو فیوض و برکات سے بہرہ ور کر دے گا۔ پھر آپ نے اس بچہ سے ایک سوال کیا (جو ان کے دل میں اسی وقت پیدا ہوا) "اے ہونہار لڑکے! نفس و عقل میں کیا فرق ہے؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ ''اے عبداللہ بن مبارک! جس خیال نے آپ کو سلام کرنے سے روکا وہ نفس کی طرف سے ہے اور دوبارہ جس چیز نے ایک صحیح فعل اور محمود عمل کی جانب آپ کی رہبری کی وہ عقل ہے۔ نفس بدی پر اکساتا ہے اور عقل نیک کاموں کی ترغیب دلاتی ہے۔ یہ ہے عقل و نفس کا فرق۔''

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے ''کہ بچہ والدین کے پاس خدا کی انمول امانت ہے اور جو والدین اپنے بچوں کی صحیح تربیت کے فریضہ سے غافل ہیں وہ اس امانت میں خیانت کے مرتکب ہیں۔''

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے ''کہ جس وقت ابن مبارک اپنے بھائیوں کے ساتھ جہاد میں تھے فرمانے لگے ''کہ وہ عمل تم کو معلوم ہے جو ہمارے اس جہاد سے افضل ہے؟'' انہوں نے کہا ''کہ معلوم نہیں۔'' فرمایا ''کہ جو شخص عیال دار ہو اور کسی سے کچھ نہ چاہتا ہو اور رات کو اٹھ کر اپنے بچوں کو کھلا ہوا دیکھے اور ان کو اپنے کپڑوں سے ڈھک دے تو اس کا یہ عمل ہمارے اس جہاد سے افضل ہے۔''

قرآن مجید میں آتا ہے۔ ''اہل ایمان وہ ہیں جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے۔''

والدین اور اساتذہ کا فرض اولین ہے کہ وہ حضور پاک سرور کائنات ﷺ کی تعلیمات کی چند جھلکیوں کی روشنی میں بچوں کی تربیت کا انتظام و انصرام کریں۔ محبت اپنے اندر ایک ایسی تعمیری چنگاری پوشیدہ رکھے ہوئے ہے جس سے طلباء و طالبات میں سیکھنے کا شوق اور امنگ روز بروز دو چند ہوتی جاتی ہے اور یوں ہم تعلیم و تدریس کے آدرش کو بہ آسانی بچے کی بہترین کردار سازی کی صورت میں اپنے سامنے دیکھنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

زندگی نام ہے ماحول پہ چھا جانے کا
بزم کو بادۂ کردار سے گرمانے کا

❁

رسُول مقبول ﷺ کی شخصیت، تاجر کی حیثیت سے

ہادیء اسلام آنخضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد ان ﷺ کے جد امجد عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو اپنے دامن تربیت میں لیا۔ بعد میں انہوں نے مرنے کے وقت آنخضرت ﷺ کی تربیت اپنے بیٹے ابوطالب کے سپرد کی۔ وہ آپ ﷺ کو اپنے بچوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ایک لمحے کے لئے بھی آپ ﷺ کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے۔

عرب میں عام طور پر اور قریش یعنی بنی اسماعیل خاص طور پر مذہب اسلام سے ہزاروں سال پیشتر تجارت کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے۔ حضور پاک سرور کائنات ﷺ کے جد اعلیٰ ہاشم نے عرب کے قبیلوں سے تجارتی معاہدے کرکے اس سلسلے کو زیادہ باقاعدہ اور پائیدار بنا دیا تھا۔ آنخضرت ﷺ کے چچا ابوطالب بھی تجارت پیشہ تھے۔ قریش اپنے دستور کے مطابق سال میں ایک مرتبہ تجارت کی خاطر شام کو جاتے تھے۔ آنخضرت ﷺ کی عمر بارہ سال کے لگ بھگ ہو گی کہ ابوطالب نے شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ سفر کی سختی کی وجہ سے وہ آپ ﷺ کو اپنے ہمراہ لے جانا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ مگر حضور ﷺ کو اپنے چچا ابوطالب سے اتنی انسیت تھی کہ جس وقت وہ سفر پر روانہ ہونے لگے آپ ﷺ فرط محبت سے ان سے لپٹ گئے۔ ابوطالب نے آپ ﷺ کے دل کو دکھانا پسند نہ کیا اور ہمراہ لے جانے پر رضامند ہو گئے---- یہ تھا آنخضرت ﷺ کا کسی دوسرے ملک کی طرف پہلا سفر---- شام کے اس سفر میں آنخضرت ﷺ کو نئے علاقے اور نئی فضا میں وقت گذارنے کا موقع ملا۔

اب تک آپ ﷺ نے بے برگ وگیاہ صحرا میں وقت گذارا تھا۔ لیکن شام میں حضور ﷺ کو سرسبز باغات دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اثنائے سفر میں آپ ﷺ کو مدائن وادی القراء ثمود کے ویرانوں سے گذرنے کا بھی اتفاق ہوا۔ اس سفر میں ابوطالب کو تجارت کے مال میں بے پناہ منافع ہوا۔

جب آنحضرت ﷺ سن رشد کو پہنچے اور معاش کی فکر ہوئی تو تجارت سے بڑھ کر اور کوئی پیشہ مناسب نظر نہ آیا۔ خصوصاً" اس وجہ سے بھی کہ ابوطالب کے ہمراہ آپ ﷺ بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے جس سے آپ ﷺ کو تجربہ بھی ہو گیا تھا اور آپ ﷺ تجارت کی اونچ نیچ سے واقف ہو گئے تھے۔ آپ معاملات کو احسن طریقے سے نبھاتے تھے۔ اس کے ہر جانب چرچے تھے۔ لوگ عام طور پر اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ میں دے دیتے تھے اور اسے منافع میں شامل کر لیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی مسرت و طمانیت کے ساتھ اس شرکت کو پسند فرماتے تھے۔ جو صاحبان حضور پاک سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ تجارت میں شامل ہوتے تھے' ان کی شہادتوں سے جو حدیثوں اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ انتہائی دیانتدار اور سچ گوئی سے تجارتی کاروبار کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ نوجوان اور بوڑھے سب آپ ﷺ پر پورا اعتماد رکھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہمارا سرمایہ ہر طرح محفوظ ہے۔

ایک تاجر کی اخلاقی خوبیوں میں سب سے اہم اس کا وعدے پر قائم رہنا اور کئے ہوئے وعدوں کو نبھانا ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ پیغمبر اور رسول مبعوث ہونے سے پہلے بھی اس اعلیٰ معیار پر پورے اترتے تھے۔ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ پیغمبری کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے خرید و فروخت کا ایک سودا کیا۔ اسی سلسلے میں بات چیت کا ایک حصہ طے ہو گیا' دوسرا باقی تھا۔ حضرت عبداللہ نے آنحضرت ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ پھر حاضر ہوں گے۔ اتفاق سے ان کو اپنا وعدہ یاد نہ رہا۔ تیسرے دن جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں وعدہ ہوا تھا تو آنحضرت ﷺ کو اسی جگہ منتظر پایا۔ لیکن آپ ﷺ اس وعدہ خلافی پر ناراض نہ ہوئے' صرف اتنا فرمایا کہ "تم نے مجھے زحمت دی میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔"

تجارتی کاموں میں آپ ﷺ ہمیشہ اپنے معاملات کو صاف رکھتے تھے۔ پیغمبری عطا ہونے سے پیشتر بھی جن لوگوں کو تجارت کے سلسلے میں آپ ﷺ سے واسطہ

پڑا، وہ اس کی گواہی دیتے ہیں۔ ایک صحابی سائبؓ نامی اسلام لائے، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کی بہت تعریف کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔" سائبؓ نے عرض کی۔ "میرے ماں باپ حضور ﷺ پر فدا ہوں، آپ ﷺ میرے ہمراہ تجارت میں شریک تھے، آپ ﷺ نے ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔" ایک اور صحابی قیس نامی بھی آپ ﷺ کے ساتھ تجارت میں شریک ہوتے تھے۔ وہ بھی آپ ﷺ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک باعزت خاتون تھیں۔ ان کا سلسلہء نسب پانچویں پشت میں آنحضرت ﷺ کے خانوادے سے ملتا ہے اور اس اعتبار سے وہ آنحضرت ﷺ کی چچیری بہن تھیں۔ ان کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں، اب وہ بیوہ تھیں۔ شریف اور پاکیزہ اخلاق کی مالک ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت دولتمند تھیں، "طبقات ابن سعد" میں درج ہے کہ "جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے اسباب تجارت کے برابر ہوتا تھا۔"

آنحضرت ﷺ جب زندگی کی ۲۵ بہاریں گزار چکے اور کئی قومی کاموں اور تجارت کے کاروبار میں شرکت فرما چکے تو ان کی سچائی، دیانت، اعلیٰ اخلاق اور ہر معاملے کو بہتر انداز سے نبھانے کی دھاک ہر کس و ناکس کے دل پر بیٹھ گئی اور لوگ آپ ﷺ کو "امین" اور "صادق" پکارنے لگے۔ آنحضرت ﷺ کی یہ وہ عظیم الشان صفتیں ہیں جن کو دوست اور دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ایک مستشرق نے کہا ہے۔ "ایک چیز جس کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا، یہ ہے کہ محمد ﷺ سچے تھے اور جو بات کہتے اور جس چیز کی دعوت دیتے اس پر آپ ﷺ کا ضمیر گواہی دیتا اور آپ ﷺ کا دل یقین و ایمان کی سچی تصویر پیش کرتا۔"

اسی شہرت کے باعث حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ان کا تجارت کا مال لے کر شام جائیں اور جو معاوضہ دوسروں کو ملتا ہے اس سے دگنا آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا جائے گا۔ آپ

ﷺ نے قبول فرمایا اور تجارت کا مال لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔ حضرت خدیجہ نے جس جس جگہ آنحضرت ﷺ کو تجارت کے مقصد سے بھیجا تھا' ان میں جرش بھی ہے جو یمن میں واقع ہے۔ آپ ﷺ دو مرتبہ تشریف لے گئے تھے اور ہر بار حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معاوضہ میں ایک اونٹ پیش کیا تھا۔

حضرت محمد ﷺ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تجارت کا مال لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے تو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک غلام میسرہ بھی ہمراہ تھا۔ اس تجارت میں بے اندازہ نفع حاصل ہوا اور آپ ﷺ کے حسن سلوک سے میسرہ آپ ﷺ کا گرویدہ ہو گیا۔ جب سفر سے واپسی کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے ملک شام سے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پسند کا مال خرید کیا۔ چنانچہ دوپہر کا وقت تھا' جب آنحضرت ﷺ سانڈنی پر سوار مکہ میں پہنچے۔ آپ ﷺ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکان کی چھت پر تھیں۔ آپ نے نیچے آکر آنحضرت ﷺ کا استقبال کیا۔ حضور ﷺ نے سفر کے تمام واقعات' مال کی خرید و فروخت اور تجارت کے منافع کا مفصل حال دلکش پیرائے میں بیان کیا جسے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بہت غور سے سنا۔ اس کے بعد میسرہ نے آنحضرت ﷺ کی شرافت' دیانت اور راست بازی کا حال بیان کیا۔ اسی دیانت داری اور کارگزاری کے نتیجے میں آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہو گیا۔ اس کے بعد بھی آپ ﷺ تجارت کرتے رہے۔ آپ ﷺ اپنا مال و دولت اکثر غریبوں پر صرف کیا کرتے تھے۔ یتیم اور مسافر بھی آپ ﷺ کی عنایات سے محروم نہ رہتے تھے۔

اسلام کی تعلیم ہر اعتبار سے مکمل ہے۔ اس میں نازک سے نازک معاملوں کی بھی تشریح ہے۔ ایسے معاملات جن کو اس وقت کے عرب کے ماحول میں عام طور پر چوری نہیں سمجھا جاتا تھا رسول اللہ ﷺ نے اپنی عملی تعلیم سے بھی ان کی اہمیت کو ظاہر فرمایا اور اس سے بچنے کی تاکید کی۔ اس سلسلے میں ناپ تول میں کمی بیشی بھی شامل ہے۔ کیونکہ جو کوئی چیزوں کو لینے میں تول کو بڑھاتا اور دینے میں گھٹاتا ہے وہ

دوسرے کی چیز پر بے ایمانی سے قبضہ کرتا ہے اور یہ بھی چوری ہی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں آتا ہے "اور ناپ تول کو پورا کرو۔"

حضور پاک ﷺ کی تعلیم پر اصحابہ کبار نے عمل کیا، اصحابہ کبار کے بعد تابعین نے اپنے لئے مشعل راہ بنایا۔ اس کے بعد تبع تابعین نے ان پر عمل کرکے ہمارے لئے ایک ایسا روشنی کا مینار چھوڑا جس سے پوری دنیا قیامت تک روشنی حاصل کرتی رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے سچائی کی تلقین بہت زیادہ وسعت اور گہرائی کے ساتھ کی ہے۔ زبان کی سچائی، دل کی سچائی اور عمل کی سچائی اور جب ان تینوں میں کوئی مسلمان کامل ہو تو وہ کامل راست باز اور صادق ہے۔ نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے لوگ جو کچھ آنحضرت ﷺ کے پاس رکھواتے تھے، وہ آپ ﷺ جوں کا توں ان کو واپس کرتے تھے۔ قرآن پاک میں نیک عمل مسلمانوں کی صفت یہ بتائی گئی ہے۔ "اور جو اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس رکھتے ہیں۔" حدیث کی کئی کتابوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں۔" اور یہ ظاہر ہے کیونکہ دل نے ایک جگہ دھوکا دیا تو ہر جگہ دھوکا دے سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تجارت کے میدان میں جو عملی نمونے پیش کئے، ان کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے پیروکار بھی تجارت میں وہی اصول اپنانے کی کوشش کرتے تھے مثلاً تجارتی دیانت کے تقاضے ملاحظہ فرمائیے۔

محمد بن سیرین عراق کے باشندے تھے۔ عین التمر میں دکان کرتے تھے۔ ایک دفعہ چالیس ہزار کا روغن زیتون خریدا۔ اس کے پیپوں سے چوہا نکل آیا۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ کولھو میں پڑ گیا تھا اور وہاں سے پیپہ میں پہنچا۔ اس لئے سارا تیل پھنکوا دیا اور خسارہ کی یہ کثیر رقم ادا نہ کرسکے۔ جس کے نتیجہ میں سخت قید برداشت کی لیکن اپنے اصول دیانت سے کبھی منہ نہ موڑا۔

محمد بن سیرین کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے غلہ فروخت کیا، انہیں اسی ہزار درہم نفع ہوا۔ اتنے زیادہ نفع پر انہیں شک ہوا کہ ان کے ملازموں

نے مہنگا غلہ فروخت کرکے زیادہ نفع لیا ہے۔ چنانچہ آپ نے نفع کی ساری رقم خریداروں کو واپس دے دی۔

ایک اور تاجر یونس بن عبید رحمتہ اللہ علیہ حضرت حسن بصری کے مرید تھے۔ وہ ریشمی کپڑے کے تاجر تھے۔ ایک دفعہ آپ نے تیس ہزار درہم کا ریشمی کپڑا خریدا، ابھی تک رقم ادا نہیں کی تھی کہ کپڑے کے دام چڑھ گئے۔ آپ نے کپڑا فروخت کرنے والے سے دریافت کیا کہ آپ کو علم ہے کہ بھاؤ چڑھ گیا ہے۔ اس نے جواب نفی میں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں آپ کی بے خبری سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا، پہلی قیمت پر مال نہیں لوں گا۔ آج کی قیمت پر سودا کرنے پر تیار ہوں۔ وہ بھی سچا مسلمان اور ایماندار تاجر تھا۔ اس نے کہا جس قیمت پر سودا طے ہوا تھا اس سے زیادہ قیمت نہیں لونگا۔ اس پر یونس بن عبید رحمتہ اللہ علیہ نے پہلی قیمت پر کپڑا لینے سے انکار کر دیا۔

ان کا ایک اور واقعہ مشہور ہے کہ ایک عورت ریشمی چادر فروخت کرنے آئی۔ آپ نے چادر کی قیمت دریافت کی۔ عورت نے کہا، ساٹھ درہم۔ آپ نے وہی چادر دوسرے دکاندار کے پاس بھیج کر قیمت دریافت کرائی۔ اس دکاندار نے اس چادر کی قیمت ایک سو بیس درہم لگائی۔ یونس بن عبید رحمتہ اللہ علیہ نے ایک سو بیس درہم دیکر چادر خرید لی۔

ایک اور بزرگ کپڑے کے تاجر تھے۔ ایک دن اسکی عدم موجودگی میں اس کے ملازم نے پانچ درہم والا کپڑا دس درہم میں فروخت کر ڈالا۔ جب بزرگ تاجر کو علم ہوا تو وہ خریدار کو ڈھونڈنے لگے۔ اس کے ملنے پر آپ نے واقعہ سنایا اور کہا کہ کپڑا پانچ درہم والا تھا یا تو باقی پانچ درہم واپس لے لیں یا میرے ساتھ دکان پر چل کر دس درہم والا کپڑا خرید لیں۔

امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ ایک بہت بڑے تاجر بھی تھے۔ ایک بار انہوں نے ایک دکاندار کے پاس بیچنے کے لئے کپڑے کے تھان بھیجے اور یہ بھی کہلوایا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے، بیچتے وقت خریدار کو دکھلا اور بتلا کر دینا۔ بیچتے وقت وہ یہ

بات بھول گیا۔ امام صاحب کو پتہ چلا تو بہت افسوس کیا۔ تھان لے جانے والے شخص کا علم نہ ہو سکا۔ اس لئے آپ نے ان تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی سب خیرات کر دی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے پہلے لوگوں میں سے ایک نے ایک شخص سے زمین خریدی۔ خریدنے کے بعد زمین سے ایک گھڑا سونے کا نکلا' وہ شخص زمین فروخت کرنے والے کے پاس گیا اور کہا یہ سونا تم لے لو' تم سے صرف زمین خریدی تھی سونا نہیں خریدا تھا۔ فروخت کرنے والے نے کہا میں نے تم کو زمین اور جو کچھ زمین کے اندر ہے فروخت کیا تھا۔ یہ سونا تمہارا ہی ہے۔ دونوں نے ایک شخص کو منصف بنایا اور اپنا معاملہ پیش کیا۔ منصف نے کہا' کیا تمہارے اولاد ہے؟ ایک نے کہا' میرے ہاں لڑکا ہے۔ دوسرے نے کہا' میرے ہاں لڑکی ہے۔ منصف نے فیصلہ کیا' لڑکے کا نکاح لڑکی سے کرو اور اس سونے کو ان پر خرچ کرو اور خیرات بھی کرو۔

حضور اکرم ﷺ نے امانت دار تاجر کی فضیلت اس طرح فرمائی کہ امانت دار اور راست باز تاجر کو انبیاء علیہم السلام' صدیقین اور شہداء کی معیت کا شرف حاصل ہو گا اور تاجر اگر نیکوکار نہ ہوں تو وہ بروز حشر عموماً" فاجروں کی صف میں اٹھیں گے۔ بجز ان تاجروں کے جو تقویٰ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہوں۔

آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل طریقوں سے خرید و فروخت سے منع فرمایا :

1- تجارت میں مبالغہ آمیزی اور جھوٹی قسمیں کھانا :-

آپ ﷺ نے فرمایا۔ تجارت میں عموماً" فضول باتیں ہو جاتی ہیں اور جھوٹی قسمیں بھی۔ لہذا اس حلف اور کذب کو صدقے سے پاک کر دیا کرو۔ جھوٹی قسم سے سودے کی نکاسی تو ہو جاتی ہے لیکن کسب حلال کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔

2- ناپ تول میں بے احتیاطی :-

رسول اکرم ﷺ نے ناپ تول والوں کو فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں تمہارے سپرد

کی گئی ہیں اور انہی دو باتوں میں غلط روی کی وجہ سے بعض گذشتہ امتیں ہلاک بھی ہوئیں۔ قوم شعیب علیہ السلام کی تباہی ناپ تول میں بے احتیاطی کی وجہ سے ہوئی۔

3- پھل تیار ہونے سے پہلے بیع کرنا:-

خریدار اور فروشندہ دونوں کو حضور ﷺ نے ایسے پھلوں کی خرید و فروخت سے منع فرمایا جو ابھی تیاری کے قریب نہ ہوں۔

4- حرام اشیاء کی تجارت:-

جس چیز کا کھانا اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا اس کی قیمت لینا بھی حرام ہے۔

5- خرید و فروخت کے وقت مال کا نقص بیان نہ کرنا:-

آپ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کے لئے اپنے بھائی کو کوئی عیب دار سودا دینا جائز نہیں جب تک نقص بتا نہ دیا جائے۔

6- اچھے برے مال کا اختلاط:-

آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ بازار میں ایک غلے کے ڈھیر کے پاس سے گزرے اور اس میں اپنا دست مبارک داخل کیا تو اندر کی تہوں میں انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی۔ پوچھا' یہ کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ بارش کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' نمی والے حصے کو اوپر کیوں نہیں کر دیتے کہ لوگ دیکھ لیں۔ جو شخص دھوکا دیتا ہے میری جماعت سے فارغ ہے۔

7- پانی کی بیع سے منع فرمایا:-

گویا پانی کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں۔

8- گوشت کے بدلے جانور کی بیع:-

آپ ﷺ نے کسی جانور کو گوشت کے عوض خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔

9- "زھو" سے پہلے پھلوں کی خرید و فروخت کرنا:-

(زھو کا مطلب سرخ ہو کر زرد ہو جائے) عہد نبوی ﷺ میں لوگ درختوں کے پھل کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ جب پھل توڑ لئے جاتے اور تقاضے کا وقت آتا تو لینے والا کہہ دیتا کہ درخت میں فلاں خرابی پیدا ہو گئی تھی یا پکنے سے پہلے اس میں فلاں نقص ہو گیا تھا۔ اس طرح جھگڑے ہوا کرتے تھے۔ جب اس قسم کی جھگڑے حضور ﷺ کے پاس زیادہ آنے لگے تو بطور مشورے کے فرمایا کہ جب تک پھل ٹھیک اندازے پر نہ آئے اس وقت تک لین دین کی بات تک نہ کرو۔

10- دودھ ہار جانور کا تجارت کی غرض سے دودھ روکنا:-

دودھ دینے والے جانور کا کئی روز تک دودھ نہ دوھنا تاکہ فروخت کے وقت دودھ زیادہ معلوم ہو۔ آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

11- تجارت کے معمول کو تبدیل کرنا:-

ایک واقعہ یوں ہے ۔ نافع کہتے ہیں کہ میں ملک شام اور مصر کی طرف تجارتی سامان بھیجا کرتا تھا۔ پھر میں نے عراق کی جانب تجارتی مال بھیجنے کا ارادہ کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں مشورے کے لئے حاضر ہو کر عرض کیا۔ ام المومنین میں شام کی طرف تجارتی مال بھیجا کرتا تھا اور اب ارادہ ہے کہ عراق کی طرف بھیجوں۔ انہوں نے فرمایا۔ ایسا نہ کر، تجھ کو اور تیری تجارت کو کیا ہوا؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ تمہارے رزق کا کہیں سامان کر دے تو اس کو نہ چھوڑ جب تک اس میں انقلاب واقع نہ ہو یا اس سے اسے نقصان پہنچے۔

تجارت میں حضور اکرم ﷺ نے نوے فیصد برکت بتائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قریباً" تمام صحابہ کرام تجارت کیا کرتے تھے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر عالموں، بزرگوں اور اماموں نے تلاش معاش کا ذریعہ تجارت کو ہی بنا رکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے تجارت کے میدان میں وعدہ کی پاسداری، سچائی، امانتداری اور عدل و انصاف کی ذاتی مثال قائم کر کے ملت کو بھی اسی راہ پر گامزن ہونے کی تلقین فرمائی۔ آج بھی ہم انہی اصولوں کو اپنا کر دین و دنیا میں کامران و کامیاب ہو سکتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی حکمتِ اصلاحِ معاشرہ کا ایک گوشہ

عَفو و دَرگُزر

سن ہجری کی چودہ صدیاں بیت جانے کے باوجود ہمارے انفرادی و اجتماعی افکار میں اسلام کا کوئی نہ کوئی جزو یا اصول یا اسلوب جاگزیں ہے اور وہ کہیں نہ کہیں ہمارے انفرادی و اجتماعی اعمال کا محرک بھی بنتا ہے۔ ہم خیرالقرون سے بہت دور ضرور ہیں اور ہم میں وہ ایمانی قوت و حرارت موجود نہیں جو ان قرون کا خاصہ تھی۔ لیکن ہمارے انفرادی طرز حیات' ہمارے معاشروں کے لیل و نہار حتیٰ کہ ہماری قبائلی تنظیمات کے ضابطہ ہائے اخلاق میں بھی اس ایمان و ایقان کی جھلکیاں ضرور گاہے ماہے دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہ اسالیب و اخلاق حضور پاک سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس سے جذباتی وابستگی کا ثمرہ ہیں۔ جو ایک طرف خیرالقرون سے ہمارے زمانی فاصلوں کو پاٹ دیتی ہے اور ہمیں ایک دفعہ پھر خیر البشر ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے جوڑ دیتی ہے اور دوسری طرف ہمارے اندر ایک جوت لگائے رکھتی ہے۔

بنو عباس کا خلیفہ مامون الرشید خیرالقرون کے اواخر کا انسان تھا۔ وہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی پر بہت گہری نظر رکھتا تھا لیکن وہ خلفائے راشدہ میں سے نہ تھا۔ خلافت راشدہ اور اسکی خلافت کے درمیان اموی خلافت کے ۹۰ سال اور عباسی خلافت کے ۶۳ سال گزر چکے تھے اور یہ دونوں خلافتیں اپی بعض خوبیوں کے باوجود ان تمام خوبیوں سے قریباً" محروم تھیں جو خلافت راشدہ کا طغرائے امتیاز تھیں اور اسلام کے مطلوب و مقصود معاشرتی انقلاب کی نقشگر تھیں جو جمہوریت الیہ یعنی جمہوریت اسلامیہ کا تقاضا تھا لیکن اس کے باوجود اسے ہادی اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے اتنی قربت و محبت حاصل تھی کہ وہ کہا کرتا تھا "اگر ہر خاص و عام کو یہ پتہ چل جائے کہ مجھے عفو میں کتنی لذت و مسرت ملتی ہے تو شاید سب لوگ بغاوتوں پر اتر

آئیں۔" ایک حکمران کا یہ قول آج بھی بہت سے غضب ناک اور خونخوار انسانوں کو موم کی طرح پگھلا سکتا ہے اور یہ قول ہنوز دم بدم تازہ بہ تازہ ہے۔ جس کی وجہ یہ اور صرف یہ ہے کہ اسکی تازگی، سچائی اور سندر تا براہ راست سرور کائنات ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ماخوذ ہے جو غیر فانی اور غیر مختتم بھی ہے اور رہتی دنیا تک اخلاق فاضلہ، اطوار پسندیدہ اور اقدار عالیہ کا سرچشمہ بھی!

ع خُود را بسُوز دَر نظرِ شمع و نُور باش

عفو اور درگزر کی صفت حضور پاک ﷺ کی بے نظیر اور لاثانی زندگی کے مختلف گوشوں سے اجاگر ہوتی ہے اور ان کی اصلاح معاشرہ کی حکمت کا ایک انمٹ حصہ ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔ "میں، جہاں تک ممکن ہو، صرف اصلاح چاہتا ہوں۔" (پارہ ۱۲، سورۃ ھود، آیت ۸۸)

آپ ﷺ کی تعلیم عفو اور انصاف پر مبنی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص نے اپنی زبان کو بند رکھا، اللہ تعالیٰ اسکی پردہ پوشی فرمائے گا اور جس نے اپنا غصہ ضبط کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے اپنے عذاب سے بچائے گا اور جس نے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرمائے گا"۔ علامہ سید سلیمان ندوری رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں "وہ تعلیم اخلاق اور قانون دونوں کا مجموعہ ہے۔ عدل قانون ہے اور احسان اخلاق ہے۔"

اسلام کے احکامات میں یہی دونوں اصول جاری و ساری ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے "اے ایمان والو! تم پر مقتولین میں برابری کے بدلے کا حکم ہوا، آقا کے بدلے آقا، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت۔" (پارہ ۲، سورۃ بقرہ، آیت ۱۷۸)

یہ منصفانہ قانون کی نقاب کشائی ہے اور اخلاقی قانون کو یوں پیش کیا گیا "اگر اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو دستور کے مطابق اسکی پیروی کرنا اور نیکی کے ساتھ اس کو ادا کرنا ہے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہوئی تو جو کوئی (مقتول کے رشتہ داروں میں سے) اس معافی یا خون بہا کے لینے کے

بعد پھر زیادتی کرے تو اس کے لئے دکھ کی سزا ہے۔" (پارہ ۲' سورۃ بقرۃ' آیت ۱۷۸)

ان آیات سے مترشح ہوا کہ معاف کرنے اور بدلہ لینے میں سے صرف ایک کو اختیار کرنے سے دنیا کا نظام مکمل نہیں کہلا سکتا۔ محض ایک کو اپنا لینے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ نظام کے اجزاء منتشر ہو جائیں گے اور امن و امان جو نظام عالم کے بقا کی ایک نہایت اہم کڑی ہے' درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لئے سزا اور انتقام کو جماعت اور حکومت کے ہاتھوں سونپا گیا اور اس کے عملی پہلو کے پیش نظر غریب' امیر' چھوٹے بڑے' اپنے اور پرائے میں کوئی امتیازی نشان یا حد مقرر نہ کی گئی تاکہ جماعت یا ملک کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے اور اس تصویر کے دوسرے پہلو کو درگزر اور عفو کی صورت میں پیش کر کے شخصیت کے بلند مقام کی نشاندہی کی گئی۔ قرآن مجید میں آتا ہے "(اے نبی ﷺ) عادت کر درگزر کی اور حکم کر نیک کام کرنے کا اور کنارہ کر جاہلوں سے" (پارہ ۹' سورۃ اعراف' آیت ۱۹۹) دوسرے مقام پر اللہ کا ارشاد یوں ہے۔ "اور تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔" (پارہ ۲' سورۃ بقرۃ' آیت ۲۳۷) سورۂ آل عمران میں ارشاد ربانی ہے۔ "وہ غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔" (پارہ ۴' سورۃ آل عمران' آیت ۱۳۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کثیر الحدیث ہیں اور دین کا قریباً" ایک تہائی حصہ انہی کی بدولت معلوم ہوا۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔ "خلق رسول ﷺ سرتاپا قرآن تھا" ایک اور موقعہ پر فرمایا "آپ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ برائی کے بدلے برائی نہ کرتے بلکہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں دس سال تک مسلسل حضور پاک ﷺ کی خدمت اقدس میں رہا اور اس عرصے میں آپ ﷺ نے مجھے اف تک نہیں کہی۔"

عمرو بن وھب آپ ﷺ کے بدترین دشمنوں میں سے تھا اور اپنی تلوار کو ہمیشہ زہر میں بجھائے رکھتا تھا تاکہ آپ ﷺ پر وار کر سکے۔ وہ چھپ چھپا کر مدینہ

شریف پہنچا اور موقع کی تاک میں رہا لیکن اسکا راز فاش ہو گیا اور وہ پکڑا گیا۔ سب مسلمان اتنے غیظ و غضب میں تھے کہ بزبان حضرت عمرؓ اسکی تکا بوٹی کرنا چاہتے تھے مگر سرور کائنات ﷺ نے اسے ایسی غیر معمولی صورت حال میں معاف فرما دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا اور یوں آنحضور ﷺ نے نہ صرف ایک بدترین دشمن کو ہمیشہ کے لئے ایک بہترین دوست بنا لیا بلکہ مسلمانوں میں نفرت کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو محبت کے ایک دائمی دھارے میں بدل دیا۔

کعب بن زہیر عرب کا مشہور لسان اور شاعر بھی تھا اور آنحضور ﷺ کا ہجو نگار تھا۔ مسلمان اسکے خلاف بھرے بیٹھے تھے۔ لیکن آنحضرت ﷺ اسکے متعلق خفگی کا معمولی سا اظہار بھی نہ فرماتے تھے۔ بالآخر وہ انکے اس تحمل سے اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں ایک قصیدہ لکھ کر خدمت اقدس میں اکیلا حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف کھلے دل سے اسے معاف فرمایا بلکہ اپنی چادر مبارک بھی اسے دے دی۔ بعد میں حضرت امیر معاویہؓ نے یہ چادر مبارک چالیس ہزار درہم میں خرید کر شاہی خزانہ میں جمع کرا دی۔

بنو قریش کا مشہور عالم اور خوش نویس ابویحیٰ عبداللہ مسلمان ہوا تو آپ ﷺ نے اسے کاتب وحی مقرر فرمایا مگر وہ کچھ عرصہ بعد مرتد ہو گیا اور دعوائے نبوت کرنے لگا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ وہ مدینہ شریف سے بھاگ کر مکہ مکرمہ میں پناہ گزیں ہوا اور وہاں قریش کو گمراہ بھی کرنے لگا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف بھی اکساتا رہا۔ فتح مکہ کے بعد کوئی راہ فرار نہ رہی تو وہ اپنے رضاعی بھائی حضرت عثمانؓ کے پاس گیا کہ جیسے بھی ہو آپ ﷺ سے خطا بخشی کروائیں چنانچہ حضرت عثمانؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "ایک باغی کو معاف فرمائیں اور امان دیں۔" آنحضور ﷺ نے بلا تامل اسے امان دے دی۔

جھار بن اسود قریشی آنحضرت ﷺ کا اور اہل بیت کا جانی دشمن تھا۔ اسی نے آپ ﷺ کی صاحبزادی کے سینے میں مارا جس سے ان کا حمل بھی ضائع ہو گیا اور وہ

خود بھی شہید ہو گئیں لیکن جب وہ حاضر خدمت ہوا اور معافی کا خواستگار ہوا تو حضور پاک ﷺ نے اسے فوراً معاف فرما دیا۔

تاریخ اسلام آنحضور ﷺ کے ایسے ان گنت واقعات کی خوشبو میں بسی ہوئی ہے۔ لیکن مذکورہ بالا چند واقعات یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں کہ ہر وہ انتقامی کارروائی، ہجو یا ظلم جو خواہ فرد واحد کی طرف سے ہوا یا گروہ کی جانب سے اگر اس کا نشانہ آپ ﷺ کی ذات اقدس یا آپ ﷺ کی اولاد کی زندگی تھی تو آپ ﷺ اسے معمولی ندامت یا محض حاضری پر بلکہ غائبانہ طور پر بھی اسے معاف فرما دیتے تھے۔ غصہ، غیظ و غضب یا انتقام تو آپ ﷺ کی فطرت میں تھا ہی نہیں۔ معمولی سی خفگی کا اظہار فرمایا تو ایسے کہ وہ حسن خفگی بن گیا۔ ایک خادمہ کسی کام سے بہت دیر سے آئی تو فرمایا۔ "اگر مجھے قانون انتقام کا ڈر نہ ہوتا تو تجھے ایک خلال سے مارتا۔"

لیکن اگر ظلم و عدوان اور نفرت و عداوت مسلمانوں کے خلاف من حیث الجماعت ہوتا تو آپ ﷺ ایسے جفا کار فرد یا گروہ کو سزا کا مستوجب ضرور ٹھہراتے تھے۔ قرآن حکیم میں دو بار ارشاد ہوا کہ اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ، وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ" (یعنی قتل بُری چیز ہے اور انتہائی اقدام ہے مگر فتنہ بدتر ہے۔" (پارہ ۲، سورۃ بقرۃ، آیات ۱۹۰، ۲۱۷) کیونکہ وہ پورے معاشرے کو اتھل پتھل کر کے قتلام کے دروازے کھول دیتا ہے۔ لہٰذا معاشرے کے خلاف ظلم و عداوت ایک فتنہ ہے، جس کا سدباب ضروری ہے۔ جنگ بدر میں ایک شاعر قیدی بنا تو خطا بخشی کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر تم وعدہ کرو کہ آئندہ مسلمانوں کی ہجو نہ کرو گے اور کفار مکہ کو مسلمانوں کے خلاف نہ بھڑکاؤ گے تو معافی مل سکتی ہے۔" اس نے وعدہ کر لیا تو اسے چھوڑ دیا گیا لیکن بعد میں وہ اپنے قول سے پھر گیا اور قریش مکہ کو اپنے اشعار سے برانگیختہ کرتا رہا۔ جنگ احد میں وہ دوبارہ پکڑا گیا اور پھر معافی کا خواستگار ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اب تم کو نہیں چھوڑوں گا۔ مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں کاٹا جاتا۔" چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔

ایک دفعہ بنو مخزوم کی ایک مسلمان خاتون چوری کے الزام میں گرفتار ہوئی۔

قریش نے چاہا کہ اسے سزا نہ ملے اور اسکی خاطر حضور پاک ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارش کے لئے بھجوایا۔ جن سے آنحضور ﷺ کو بہت محبت تھی مگر ان کی گذارش سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "اے لوگو! تم سے پہلی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو نظر انداز کرتے اور اگر وہی کام معمولی آدمی سے سرزد ہو جاتا تو سزا کا مستحق گردانتے۔ خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹتا۔"

اس کے برعکس آنحضرت ﷺ کے عفو کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ اور نہ ہی کسی بیوی اور خادم کو مارا' سوائے اس کے کہ راہ خدا میں (دشمنوں سے) جہاد کر رہے ہوں (اور کسی کو ضرب لگائی ہو) اور نہ ہی اپنی ذات کے لئے کبھی کوئی انتقام لیا۔ ہاں اگر حدود الٰہی میں سے کسی چیز کی خلاف ورزی کی جا رہی ہوتی تو پھر اللہ (کے حکم) کی خاطر بدلہ لیا کرتے تھے۔"

اسلام کا بنیادی رکن توحید ہے۔ شرک اور بت پرستی کا ذرہ بھر امکان نہیں لیکن مسلمانوں کو تاکید ہوتی ہے کہ "تم مشرکوں کے بتوں کو برا بھلا نہ کہو' ایسا نہ ہو کہ وہ بدلے میں تمہارے خدا کو برا کہہ بیٹھیں۔" یہ برداشت اور بردباری کی تعلیم کا ایک درخشندہ نمونہ ہے۔

ایک دن ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ کامل اسلام کس مسلمان میں ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس مسلمان میں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔" ایک اور موقعہ پر صحابہ کو خطاب کرکے فرمایا "جب تک مومن نہ بنو گے جنت میں داخل نہ ہو سکو گے اور مومن نہ بنو گے جب تک تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے۔"

طائف میں جب سرکار دو عالم ﷺ سرداران ثقیف کے ایمان لانے کی امید کا چراغ لے کر پہنچے اور پیغام حق وہاں کے تینوں رؤسا عمرو بن عمیر کے بیٹوں کے گوش گزار کیا تو وہ تینوں اپنی امارت کے نشے میں چور تھے۔ ایک نے کہا کہ "اگر آپ

ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو پیدل کیوں چلتے ہیں؟" دوسرا کہنے لگا کہ "کیا خدا کو کوئی اور شخص پیغمبر بنانے کے لئے نہ ملا؟" (نعوذ باللہ) تیسرا بولا کہ "آپ ﷺ سچے ہیں تو آپ ﷺ سے بات کرنا خطرے سے خالی نہیں اور اگر آپ ﷺ سچے نہیں تو بات کرنا ہی مناسب نہیں۔"

حضور پرنور ﷺ نے یہ زہر آلود تیر سہے اور انہیں آخری بات کہی کہ "تم یہ باتیں اپنی ذات تک محدود رکھو اور کم سے کم عوام کو ان سے آلودہ نہ کرو۔" مگر ان بدنصیبوں نے بچوں اور اوباش لوگوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگایا۔ آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے جن سے آپ ﷺ زخمی ہو گئے اور خون بہنے لگا۔ جب آپ ﷺ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو وہ بازو تھام کر کھڑا کر دیتے۔ جب آپ ﷺ پھر چلنے لگتے تو وہ پتھر برساتے، ساتھ ساتھ برا بھلا بھی کہتے اور تالیاں بجاتے جاتے۔ یہ فتنہ پرداز لوگ تین میل تک حضور پاک ﷺ کا تعاقب کرتے رہے اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ کے جوتے خون سے بھر گئے۔

اسی سفر میں فرشتۂ غیب نے سرور کونین ﷺ سے پوچھا تھا کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر یہ نہیں تو ان کی آئندہ نسلیں خدائے واحد پر ضرور ایمان لائیں گی"---- یہ تھا محسنِ انسانیت آنحضرت ﷺ کا مثالی کردار اور روحانی پاکیزگی اور اخلاقی بلندی کا نقطۂ عروج۔

جنگ احد میں کافروں نے سرکار دو عالم ﷺ کے دانت مبارک شہید کئے، سر پھوڑا، آپ ﷺ ایک غار میں گر گئے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بددعا فرمانے کے لئے گذارش کی تو ارشاد ہوا۔ "میں ہرگز لعنت کرنے کے لئے مبعوث نہیں کیا گیا ہوں، مجھے تو داعی اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کہ اسے (حق و صداقت کا) علم نہیں ہے۔" (پیغمبر اعظم و آخر، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، لاہور، ص ۵۲۱، بحوالہ صحیح مسلم بعد غزوۂ احد)

ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ "یا رسول اللہ میں اپنے خادم کا قصور کتنا معارف کروں؟" آپ ﷺ پہلے تھوڑی دیر خاموش رہے۔ اس نے پھر یہی

دریافت کیا۔ تب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ "ہر روز ستر مرتبہ" اس سے تعداد کا مقرر کرنا مقصود نہیں بلکہ عفو اور درگزر کی فراوانی کو ظاہر کرنا ہے۔

جب عہد نامہ حدیبیہ منسوخ ہو گیا تو مسلمانوں کا دس ہزار کا لشکر فتح مکہ کے لئے روانہ ہوا۔ اہل مکہ کو جیسے ہی علم ہوا ویسے ہی انہوں نے تحقیق کی خاطر تین آدمی بھیجے جن میں سے ایک ابوسفیان تھا۔ خیمۂ نبوی کی دربانی پر جو دستہ مقرر تھا' اس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقامی جذبہ نے جوش مارا اور بارگاہ رسالت ﷺ میں آکر عرض کی کہ "کفر کی بیخ کنی کا وقت آگیا"۔ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جان بخشی کی درخواست کی۔ اب ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اس کے قتل کا مطالبہ کرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اسلام کی دشمنی' مدینہ پر بار بار چڑھائی' عرب قبیلوں کو لڑائیوں کے لئے اکسانا' آنحضرت ﷺ کے خفیہ قتل کرانے کی سازش' ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی پیاسی تھی۔ لیکن ہادیٔ اسلام ﷺ کا جذبۂ عفو دیکھئے کہ آپ ﷺ نے ابوسفیان کو اسلام کی آغوش عاطفت میں لے لیا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا "اے میرے رب آپ کے نزدیک اپنے بندوں میں عزیز ترین کون ہے؟" فرمایا "وہ شخص جو قدرت رکھتے ہوئے بھی معاف کر دے۔"

اپنے تصورات کی سوئی کو گھمایئے اور ملاحظہ کیجئے کہ وہ گھڑی آن پہنچی جب جابر قریش آنحضرت ﷺ کے سامنے گردنیں جھکائے کھڑے تھے۔ جنہوں نے اسلام کے ختم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا' جن کی زبانیں گالیوں کی بارش برساتی تھیں' جن کی تیغوں نے رحمت عالم ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں' جنہوں نے آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بکھیرے تھے' جنہوں نے تبلیغ کے دوران آپ ﷺ کی ایڑیوں کو لہولہان کیا تھا' جنہوں نے آپ ﷺ کے سچے فدائیوں کو چلچلاتی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹا تھا۔

حضور پاک سرور کائنات ﷺ نے ان کی جانب نگاہ اٹھائی اور جلال و دبدبہ

کے لہجہ میں پوچھا "تم کو کچھ معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے۔" یہ لوگ ظالم تھے، جابر تھے، شقی القلب تھے لیکن مزاج کو سمجھتے تھے۔ پکار اٹھے۔ "تو شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہے۔" رحمت عالم جوش میں آئی اور ارشاد ہوا۔ "جاؤ تم سب آزاد ہو، آج تم سب کے لئے معافی ہے۔"

کفار مکہ تمام مہاجرین کے مکانات پر قابض ہو گئے تھے۔ اب وقت تھا کہ انہیں ان کے چھنے ہوئے حقوق واپس دلائے جاتے مگر آنحضرت ﷺ نے اس معاملہ میں بھی درگزر کو اپنایا۔

دشمن سے انتقام لینا جائز ہی نہیں، بلکہ انسان کا فطری حق ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جو اپنے جانی دشمن کو معاف کر سکے۔ لیکن حضور پاک ﷺ کے دامن اخلاق میں عفو و درگزر اور نرم دلی کی فراوانی تھی۔ قرآن پاک میں آنحضرت ﷺ کی بے مثال نرم دلی کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ "لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف انہیں بڑی گراں معلوم ہوتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کے بھوکے ہیں اور مومنوں پر حد درجہ شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔" (پارہ ۱۱، سورۃ توبہ، آیت ۱۲۸)

آپ ﷺ اس قرآنی اصول کی زندہ تفسیر تھے کہ دشمن کا دل اس کے ساتھ نیکی کر کے جیت لینا چاہئے۔

فتح مکہ کے وقت جو لوگ ڈر کے مارے بھاگ گئے تھے، ان میں وحشی اور صفوان بھی شامل تھے۔ وحشی ایک حبشی غلام تھا جس نے ابوسفیان کی بیوی ہندہ کے کہنے پر آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو زہر بجھا نیزہ مار کر شہید کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد وحشی کچھ عرصہ ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا، آخر جب رحمت عالم ﷺ کے عفو عام کی خبر اس تک پہنچی تو وہ سیدھا مدینے آیا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی امام الانبیاء ﷺ کے دل میں پیارے چچا اور اسلام کے نڈر سپاہی کی یاد تازہ ہو گئی اور آنکھوں میں آنسو امڈ آئے مگر آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا۔ "وحشی! تمہیں معاف کر دیا گیا، لیکن مہربانی کر کے میرے سامنے نہ آیا کرو، تمہیں دیکھ کر میرے دل کا زخم

تازہ ہو جاتا ہے۔"

وحشی کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر ابھارنے والی ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ تھی۔ مگر فتح مکہ کے دن شہر میں یہ منادی کرائی گئی کہ جو کوئی بیت اللہ میں' ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا یا اپنے کواڑ بند رکھے گا اس کے لئے امان ہے۔ اس اعلان سے ہندہ کی بھی ڈھارس بندھی اور وہ بھی بیعت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے میں آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہچان لیا مگر اس کے جرم کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ہندہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و کرم سے اتنی متاثر ہوئی کہ بے اختیار بول اٹھی۔ "اے اللہ کے رسول! آج سے پہلے میری نگاہ میں اس خیمے سے نفرت انگیز جگہ اور کوئی نہ تھی۔ آج میری نگاہ میں اس خیمے سے زیادہ پیاری جگہ دنیا بھر میں نہیں"۔

یہ تھا انسانیت کے محسن اعظم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خطا کاروں کے ساتھ عفو و درگزر جو حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ جس کا لقب خود غفور اور غفار ہے کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ ہے۔ جو اپنے اندر قوت کی ایسی چنگاریاں چھپائے ہوئے ہے جو ہر دور اور ہر زمانے میں سخت ترین مخالفین کو بندۂ بے دام بنا لیتی ہے۔

ایک قُریشی سردار جس کا نام صفوان تھا اور جس نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔ فتح مکہ کے بعد وہ بھاگ کر جدہ چلا گیا۔ عمیر نے یہ ماجرا رحمۃ للعالمین کو سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صفوان کو معاف کر دیا گیا ہے۔ جاؤ اسے واپس لے آؤ۔" عمیر نے عرض کیا کہ "اس کو میری بات کا یقین نہیں آئے گا۔ کوئی نشانی عنایت فرمائیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اپنا عمامہ مبارک عمیر کے حوالے کیا۔ عمیر سیدھا جدہ پہنچا اور صفوان کو خوشخبری سنائی اور اسے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لے آیا۔ اس نے آتے ہی سوال کیا کہ "عمیر کہتا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ سچ کہتا ہے۔" صفوان کی تسلی ہو گئی تو بولا "مگر میں آپ کا دین قبول نہیں کروں گا۔ اس معاملے میں پہلے میں اچھی طرح تسلی کروں گا پھر کوئی قدم اٹھاؤں گا۔"

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش دلی سے فرمایا "تمہیں اس بارے میں پوری آزادی

ہے۔" صفوان چند ماہ اسلام کا اچھی طرح مطالعہ کرتا رہا اور آخر دین فطرت کی سچائی کا دل سے قائل ہو گیا اور سچا مسلمان بن گیا۔

دنیا کی تاریخ میں یہ پہلی مثال تھی جب ایک طاقتور فاتح نے نہ صرف اپنے بدترین دشمنوں کو لاجواب دریا دلی سے معاف کر دیا بلکہ انہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ظلم اور جبر سے کام لینے کی بجائے اپنے خلق عظیم کی کشش سے کام لیا۔

موجودہ صدی عیسوی کی پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) اور دوسری عالمگیر جنگ (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) میں بے پناہ مالی نقصانات کے علاوہ علی الترتیب ۸۰ لاکھ اور ۵ کروڑ فوجی اور غیر فوجی انسان مارے گئے اور ان سے کئی گنا زیادہ زندہ درگور ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۸۵ء تک دنیا میں ۱۵۰ جنگیں لڑی گئیں اور ۳ کروڑ انسان ان کی نذر ہو گئے گویا ۲ لاکھ فی جنگ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ لیکن ان کا نتیجہ کیا نکلا؟ ہر دفعہ یہ کہا گیا کہ "یہ جنگ' جنگ ختم کرنے کے لئے لڑی جا رہی ہے۔" لیکن نہ جنگ ختم ہوئی اور نہ ہی اقوام و ملل کے درمیان تضاد و امتیاز کا سلسلہ بند ہوا۔ اس کے برعکس آنحضرت ﷺ نے ۲۸ جنگوں میں شرکت فرمائی اور ان میں فریقین کے صرف ۱۰۱۸ آدمی کام آئے' گویا ۳۷ آدمی فی جنگ مگر ان قربانیوں کے بدلے اقوام متعلقہ کو ان گنت مادی' اخلاقی اور روحانی فیوض و برکات نصیب ہو گئے اور وہ علاقے آج تک حلقہ بگوش اسلام ہیں۔ بقول محشر رسول نگری۔

تیری نگاہِ لُطف ہے عُنوانِ اِنقلاب   تیری جبیں ہے صُبحِ دَرَخشانِ انقلاب
تیرا پیام زیست ہے طُوفانِ اِنقلاب   شاہا! تِرا وجود ہے خُودِ جانِ انقلاب

تِری نظر سے قِسمتِ اِنساں بَدل گئی
رُوحِ حیات اِک نئے سانچے میں ڈھل گئی

❀

انسانی حقوق اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

اسلام میں حقوق اللہ سے زیادہ حقوق العباد پر زور دیا گیا ہے۔ علماء و فضلائے اسلام نے حقوق العباد کی جو توضیح و تشریح کی ہے اس میں والدین اور اولاد، استاد اور شاگرد، شوہر اور بیوی، قرابت داروں، سسرالی رشتہ داروں، ہمسایوں، مریضوں، آجر و اجیر، مالک اور غلام، سائلین و محرومین، مساکین و معذورین، امت مسلمہ اور بنی نوع انسان شامل ہیں۔ گویا ان کا دائرہ فرد سے لے کر خاندان، معاشرہ، جمیع المسلمین اور بنی آدم تک پھیلا ہوا ہے اور یوں اس میں بچے اور بوڑھے، حکومت اور اس کے کارکن، سرمایہ دار اور محنت کار، سردار اور قبائلی، وڈیرہ اور ہاری، زمیندار اور مزارع، خان اور بزگر اور ملک اور اس کے باشندے وغیرہ سبھی شامل ہو جاتے ہیں۔ دور حاضر میں انسانی بنیادی حقوق یا مختصراً" انسانی حقوق کی اصطلاح زیادہ استعمال ہوتی ہے اور اس سے مراد عموماً" وہی حقوق لئے جاتے ہیں جو مذکورہ بالا حقوق العباد کے زمرے میں آتے ہیں۔

قرآن حکیم کلام اللہ ہے، اس لئے یہ غیر فانی بھی ہے اور غیر مختتم بھی۔ گو قرآن حکیم کتاب مبین ہے تاہم اس کے بہت سے مطالب ہماری آنکھوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ لیکن نقطہء نظر کے بدلتے ہی ان کی پہنائیاں اور ان کے مضمرات واضح ہونا شروع کر دیتے ہیں۔ نقطہء نظر میں تبدیلی اس لئے آتی ہے کہ انسان علمی و عملی طور پر جامد و خامد نہیں بلکہ مسلسل متحرک اور ارتقاء پذیر ہے۔ نئی نئی ایجادات ہوتی ہیں، علم آگے بھی بڑھتا ہے اور پیچھے کی طرف بھی پھیلتا ہے اور تحت الثریٰ سے فضاء، خلاء اور افلاک تک اس کی زد میں ہیں۔ لہٰذا ہر دور کے اپنے تقاضے، مطلوبات اور مطالبات ہوتے ہیں۔ کچھ ورثے میں ملے ہوئے اور کچھ نوخاستہ۔ کچھ پر زور گھٹ جاتا ہے۔ کچھ پر بڑھ جاتا ہے اور کچھ نظرانداز بھی ہو سکتے ہیں اور پھر کسی وقت ابھر

سکتے ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم اپنی جگہ غیر متغیر ہے لیکن اس کی کوئی تفسیر غیر متغیر نہیں بلکہ یہ بار بار تفسیر کا متقاضی ہے۔ یہ بات بھی ہے کہ ہر مفسر کی تفسیر اس کے اپنے مبلغ علم کے ہی مطابق ہو سکتی ہے۔ ایک مذہبی مفسر' ایک ماہر عمرانیات مفسر' ایک طبی سائنس دان مفسر اور ایک فنکار مفسر کی تفاسیر میں لازماً" فرق ہو گا۔ کیونکہ وہ اپنے اپنے علم کے مطابق تفسیر کریں گے۔ ایسا شاذونادر ہی ہو سکتا ہے کہ ایک مفسر بیک وقت عالم اجل' سماج شناس' سائنس دان اور فنکار ہو حالانکہ قرآن حکیم حیات انسانی کے ہر پہلو اور کائنات کے اسرار و رموز پر حاوی ہونے کی وجہ سے ایک ایسے ہی جامع الکمالات مفسر کا متلاشی و متقاضی ہے۔

ہمارے خیال میں آنحضورﷺ نہ صرف سید المفسرین' امام المفسرین اور اول المفسرین تھے بلکہ وہ جامع العلوم مفسر بھی تھے۔ وہ پاتال سے لے کر عرش بریں تک حاوی ہے۔ لہٰذا ان کی تفسیر و تشریح ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ہم خود قدیم و جدید علوم پر دسترس رکھتے ہوں' عصری تقاضوں کو بخوبی سمجھتے ہوں اور اپنے اور گردوپیش کے مسائل اور تغیرات کا ادراک واقعی رکھتے ہوں اور انہیں آنحضورﷺ کے فرمودات' اسالیب' اطلاقات اور اقدامات میں ڈھونڈ سکتے ہوں۔ لہٰذا قرآن حکیم اور احادیث کا بار بار مطالعہ نہ صرف ہمیں موجودہ مسائل کے حل کا اہل بناتا ہے بلکہ ہمارے سامنے نئے نئے امکانات' نئی نئی جہتیں اور نئے نئے اسالیب بھی پیش کرتا ہے۔ آنحضورﷺ نے اسی سلسلے میں فرمایا:

"علماء کبھی اس کتاب (یعنی قرآن مجید) سے سیر نہ ہو سکیں گے' نہ کثرت و تکرار تلاوت سے اس کے لطف میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی اس کے عجائبات (یعنی نئے نئے علوم و معارف اور اسباب و اسالیب) کا خزانہ کبھی ختم ہو سکے گا۔" (حضرت علیؓ سے مروی ایک طویل حدیث کا اقتباس)

علامہ اقبال نے اسی مضمون کو اپنے اشعار میں یوں بیان کیا:

صَد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست　　عصر ہا پیچیدہ در آیاتِ اوست
چُوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　جاں چو دیگر شُد جہاں دیگر شود
بندہَ مومن ز آیاتِ خُداست　　ہر جہاں اندر برِ اوچوں قباست
چُوں کُہن گردد جہانے در برش　　می دہد قرآں جہانے دیگرش
یک جہا نش عصرِ حاضر را بس است　　گیر اگر در سینہ دل معنی رس است

اسی ضمن میں علامہ اقبال کا یہ مشہور شعر بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے:

مُصطفٰی برساں خوِیش راکہ دیں ہمَہ اوست　　اگر بہ او نرَسیدی تمام بُولہبی است

آنحضرت ﷺ قرآن حکیم کی بشری تجسیم تھے اور بقول معلمہ امت، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا **کَانَ خُلقہُ الْقُرآن**" "یعنی آپ کی سیرت تعلیمات قرآنی کا مکمل نمونہ تھی گویا آپ ﷺ مُجسّم قُرآن تھے۔"

اگر ہم اس نقطہء نظر سے حضور پاک ﷺ کی ذات بابرکات اور حیات گرامی میں غواصی کریں تو انسانوں کے جو بنیادی حقوق سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

خواندگی:- آج سے چودہ سو سال پہلے جب خواندگی کا پوری دنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا اور یورپ بھی عرب کی طرح جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا تو آنحضور ﷺ نے فرمایا "**الجھل موت الاحیا**" یعنی جہالت زندوں کی موت ہے۔

حضور پاک سرور کائنات ﷺ نے اسے دور کرنے کے لئے ایک طرف مسجد نبوی میں ہی اس کے ایک جزو لاینفک کی حیثیت سے مدرسہء صفہ (صفہ، سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی کے ایک کنارے پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا) قائم کیا جو دنیا میں پہلی اقامتی درسگاہ تھی اور جس کی کفالت آنحضور ﷺ خود بنفس نفیس فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ "میرے ہاتھوں میں چکی پیتے پیتے نیل پڑ گئے ہیں، مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو" تو فرمایا کہ "یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور صفہ والے بھوکے

رہیں۔"

دوسری جانب حق خواندگی حقداروں تک پہنچانے کے لئے ایک انوکھا لیکن تیر بہدف طریقہ استعمال کیا۔ جنگ بدر میں تقریباً" ستر افراد جنگی قیدی بنائے گئے تھے۔ ان میں سے جو صاحب استطاعت تھے فدیہ دے کر رہائی حاصل کر گئے۔ جو بے استطاعت اور بے علم تھے وہ اس وعدے پر چھوڑ دیئے گئے کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ لیکن جو بے استطاعت باعلم تھے ان پر یہ شرط عائد کی گئی کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو انہیں رہائی مل جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے یہ شرط پوری کر دی اور رہا ہو گئے۔ اور یوں ایک محفوظ اندازے کے مطابق قریباً" دو سو مسلمان بچے نوشت و خواند کا فن سیکھ گئے اور بعد میں عربوں کی سو فیصدی خواندگی کا موجب بنے۔ انہی بچوں میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے جو کاتب وحی بنے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواندگی کو نہ صرف انسانوں کا بنیادی حق قرار دیا بلکہ حصول خواندگی کے لئے کفار و مشرکین مکہ کی خدمات کو بھی مستحسن قرار دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "میری امت کے اس شخص سے خیر (کی کوئی توقع) نہیں جو عالم یا طالب علم نہ ہو۔" یعنی یا تو خود سیکھے یا اوروں کو سکھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مقام پر فرمایا۔ "جس شخص سے کسی ایسی بات کے بارے میں پوچھا جائے جسے وہ جانتا ہو اور پھر وہ نہ بتائے، قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔"

دوسرے لفظوں میں اسلام نے علم حاصل کرنے والوں پر یہ بھی لازم کر دیا کہ وہ علم کو مخلوق خدا کی امانت سمجھتے ہوئے اسے دوسروں کو پہنچائیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا تاکہ خواندگی عام ہو۔ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً۔ یعنی "میری طرف سے پہنچا دو خواہ وہ ایک آیت ہی ہو۔"

تعلیم:۔ حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تعلیم و تعلم کو ایک راز سربستہ سمجھا جاتا تھا اور اسے صرف پادریوں، کاہنوں اور برہمنوں تک ہی محدود رکھا جاتا تھا اور وہ اسے چھپانے کے متعلق اتنے محتاط تھے کہ اس کی بھنک بھی کسی عامی کے کان میں نہ پڑ

سکتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے نہ صرف علم کے دروازے تمام انسانوں کے لئے کھول دیئے بلکہ ہر قسم اور ہر جگہ کے علوم و فنون انسانوں کی مشترکہ میراث قرار دیئے اور حصول علم کو انسانوں کا ایک بنیادی حق قرار دیا۔ ان کا فرمان "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ" ان کے اسی نظریئے کا اظہار تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے پیرو بلا تامل چینی علوم و فنون سے استفادہ کریں جو اس وقت کی دنیا میں بے حد ترقی یافتہ تھے۔ چین تہذیب و تمدن کا ایک عظیم الشان گہوارا تھا' جہاں ریشمی پارچات' کاغذ' سوئی' بارود' چینی ظروف اور بے شمار دوسری اشیاء ایجاد کی گئی تھیں جو آج تک تہذیب انسانی کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی تھا کہ حصول علم کے لئے کرۂ ارض کا کوئی کونا بھی بعید نہیں ہونا چاہئے۔

ایک اور حدیث کا حصہ ہے۔ "حکمت کو حاصل کرو تمہیں وہ کوئی ضرر نہ دے گی چاہے اگر وہ کسی برتن سے انڈیلی جائے۔" گویا حکمت چاہے کسی برتن سے انڈیلی جائے جذب و قبول کے قابل ہے۔ کسی برتن سے یہی مراد ہے کہ چاہے وہ کافر کے گھر میں نظر آ رہی ہو یا مومن کے سینہ سے ابل رہی ہو۔ حکمت جہاں کہیں ہو' موتی کی مانند چنی جا سکتی ہے۔ وقت اور مقام کا فرق اس کی چمک دمک میں کوئی کمی نہیں آنے دیتا۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے غیر ملکی زبانیں سیکھنے کی مصلحت اور ضرورت کا بھی اعتراف کیا ہے۔ خود حضور پاک ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیگر اقوام کی زبانیں سیکھنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کے حکم پر سریانی زبان سیکھی تھی۔

اسلام عقلی میلانات پر کوئی حد نہیں رکھتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ہر میدان میں جولانی کریں اور ہر نامعلوم کی جستجو کی خاطر آگے بڑھیں تاکہ انسانیت کو زیادہ سے زیادہ نفع ہو۔ "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" "لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ" "اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ" کے جملے تاریخ مذہب میں بالکل نئی چیز تھے۔ نتیجتاً عقلی حرکت کی طرف رُجحان پیدا ہوا اور اسلام نے ہادیٔ برحق ﷺ کے ذریعہ سے سب سے پہلے آزادیٔ عقل کا تحفہ دنیا کو عطا کیا۔

ورنہ اس سے پہلے کہا جاتا تھا۔ "عقل کے چراغ کو بجھا دے پھر آنکھیں بند کر کے حاکم مذہب کی غلامی کر۔" حضور پاک ﷺ نے ایسی تعلیم اور ایسے علم سے پناہ مانگی جس کا اثر انسان کی عملی زندگی پر نہ ہو۔ فرمایا۔ "اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔"

ہادیٔ اسلام ﷺ مذہب کے جوش میں پڑ کر شخصی اور جماعتی حقوق کو فراموش کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ ﷺ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لڑکے سے فرماتے ہیں جو دائم الصوم، اور قائم اللیل ہونا چاہتا تھا کہ "تم کو میں ایک ترکیب بتلاؤں کہ تمہارا ارادہ بھی ثابت رہے اور تمہارا نفس بھی مذہب کی خشکی سے چلانے نہ لگے۔" کہا "وہ کیا؟" فرمایا کہ "نماز بھی پڑھو اور سو بھی جاؤ' روزہ رکھو اور نہ بھی۔ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تیری رفیقۂ حیات کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تیرے دوست کا بھی تجھ پر حق ہے۔" (ترجمہ مشکوٰۃ شریف موسوم بہ مظاہر حق جلد دوم' ترجمہ مولانا محمد قطب الدین شاہجہان آبادی' کتاب الصوم' ص ۱۸۰ طبع منشی تیج کمار وارث نول کشور پریس لکھنو' ۱۹۶۷ء (بار ہشتم)۔ ابی قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا "یا رسول اللہ' کیا حال ہے اس شخص کا جو ہمیشہ روزے رکھتا ہو۔" آپ ﷺ نے فرمایا "نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔" (ترجمہ مشکوٰۃ شریف موسوم بہ مظاہر حق جلد دوم' ترجمہ مولانا محمد قطب الدین شاہجہان آبادی' کتاب الصوم' ص ۱۷۶-۷۷' طبع منشی تیج کمار وارث نول کشور پریس' لکھنوٗ' ۱۹۶۷ء (بار ہشتم)۔

حدیث میں ہے۔ "خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی رخصتوں کو بھی استعمال کیا جائے۔" ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "جو ہماری رخصتیں لینا نہیں چاہتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

پروردگار عالم نے نبی آخر الزمان ﷺ کو روشن چراغ (سراجاً منیرا) کہا۔ یہی سبب ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مناصب نبوت میں تعلیم دینا خصوصی حیثیت رکھتا ہے۔ احادیث نبوی کا ایک بڑا ذخیرہ علم کی ترغیب اور فضائل پر مبنی ہے۔ جیسے "علم کی ایک

مجلس ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ وزن رکھتی ہے۔" "ایک عالم کی ہستی خدا کے پاس ہزار عابدوں کی ہستی سے زیادہ ہے۔" "کھو کہ خدا میرے علم میں ترقی دے۔" یہ ترغیبات لوگوں میں علم کا شوق اور جذبہ پیدا کرنے کا کامیاب ترین ذریعہ بنیں۔

حضور پاک سرور کائنات ﷺ نے مذہبی تعلیم و تربیت کے دو طریقے اپنائے تھے۔ اولاً۔ جس میں مختلف قبیلوں کے لوگ مدینہ آتے' چند روز ٹھہرتے اور ضروری مسائل سیکھ کر واپس جاکر اپنے قبیلہ کو تعلیم دیتے تھے۔ ثانیاً۔ درس و تعلیم کا مستقل طریق کار تھا اور اس کی خاطر "صفہ" کی درسگاہ مخصوص تھی۔ اس درسگاہ میں دو حلقے تھے۔ ایک درس و تعلیم کا' دوسرا ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت کا۔

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ "ایک دن رسول اللہ ﷺ کاشانۂ اقدس سے برآمد ہوئے تو مسجد میں دو حلقے تھے' ایک حلقے کے لوگ تلاوت و دعا میں مصروف تھے اور دوسرے حلقہ کے تعلیم و تعلم میں۔ آپ ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی اور خود یہ ارشاد فرما کر کہ میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ درس و تدریس کے حلقہ میں بیٹھ گئے۔"

مسجد نبوی اور مدرسہ صفہ کے مربوط ہونے سے علم و عمل کی وحدت کا دور دورہ ہوا۔ یہی روایت آج تک قائم ہے۔

مدرسۂ صفہ میں معلم اور متعلم میں جو قرب نصیب ہوا اس سے متعلمین جو کچھ قرآن پاک میں پڑھتے اسے اسوۂ حسنہ کی صورت میں عملاً دیکھ لیتے۔

مدرسۂ صفہ نے علم کو بنیادی ضروریات (ہوا' پانی) میں شامل کرکے اس کا حصول آسان اور بغیر معاوضے کے بنایا۔ اس چشمۂ علم سے فیض پانے والوں میں نادار' بے آسرا اور غلام طبقے سے متعلق افراد ہی آگے آگے تھے۔ اصحاب صفہ معاشی اعتبار سے سب سے پسماندہ لوگ تھے۔ مگر علم کے ناطے سے وہ بڑوں بڑوں پر سبقت لے گئے۔

مدرسۂ صفہ غریبوں کی پناہ گاہ اور سوسائٹی میں انہیں باعزت مقام دلانے کا باعث بنا۔ انہیں ہر طرح کے مالی بوجھ سے چھٹکارا ملا۔ خود ریاست اور معاشرہ کے خوشحال

افراد کے اجتماعی وسائل سے کفالت کا ایسا نظام وضع کیا گیا کہ کسی طرح بھی غربت حصول علم کی راہ میں رکاوٹ نہ بنی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ آنحضرت ﷺ مدرسہء صفہ کی کفالت پر خصوصی توجہ فرماتے۔ ویسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ صفہ کے ناظم مالیات تھے۔ جو عطیات سے اس کے مصارف پورے کرتے۔

علاوہ ازیں مدینہ منورہ میں ۹ مساجد اور تھیں جو درسگاہوں کا کام دیتی تھیں۔ ان سب مساجد اور درسگاہوں کی نگرانی سرور کائنات ﷺ خود فرماتے۔ آپ ﷺ ہی اساتذہ کی تقرری کرتے۔ مسجد نبوی میں آپ صدر معلم کے فرائض انجام دیتے۔ مدرسہء صفہ میں آنحضرت ﷺ کے علاوہ اکابر صاحب علم صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھ کو کمان بطور ہدیہ دی۔ جو انہوں نے بعد میں واپس کر دی کیونکہ آنحضور ﷺ نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے سے سختی سے منع فرمایا تھا۔

اصحاب صفہ جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے' دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور اسلامی تعلیمات (احکامات' ہدایات اور اسلامی قوانین وغیرہ) سے آگاہی حاصل کرتے۔ رات کو اسی چبوترہ (صفہ) پر پڑ رہتے۔ ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ مجموعی تعداد چار سو تک پہنچی تھی' مگر ایک ساتھ نہیں۔ صفہ میں بھی اس قدر گنجائش نہ تھی۔ صفہ میں صرف دینی تعلیم ہی نہیں دی جاتی تھی بلکہ دوسرے علوم بھی سکھائے جاتے تھے۔

اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو قراء کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ تعلیمی اور تبلیغی ضروریات کی خاطر مختلف مقامات پر بھی بھیجے جاتے تھے۔

صفہ کی درسگاہ سے فیضیاب ہونے والوں کا تعلق مختلف ممالک سے ہوتا۔ وہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں اپنے اپنے ملک کی باتیں بھی کرتے اور یوں تبادلہء خیالات و علم ہوتا رہتا۔

حضور پاک ﷺ سراپا رحمت عالم تھے۔ آپ کی تعلیم کی اثر انگیزی میں نمایاں

ترین عنصر آپ کی شفقت و محبت تھی۔ آپ ﷺ ہر ہدایت کو تین بار دہراتے تھے تاکہ ذہن نشین ہو جائے۔ اپنے مخاطبین کی ذہنی سطح اور مطالب کی تفہیم کا اتنا خیال رکھتے کہ ایک وقت میں قرآن مجید کی دس آیتوں سے زیادہ بیان نہ فرماتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کا طریقہء تدریس، تدریج (آہستہ آہستہ، درجہ بدرجہ ہونا) اور عمل کا تھا۔ آپ کے طریق تدریس میں سوال و جواب کا طریقہ بھی شامل تھا۔

صفہ کی درسگاہ اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ہادیء اسلام ﷺ کو تعلیم، متعلم اور معلم سے کتنا گہرا تعلق تھا اور وہ انسانی حقوق کی پاسداری کس ناقابل فراموش انداز سے فرماتے تھے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی تاریخ عالم ان کی مثال دینے سے عاجز و قاصر ہے۔

اسے آنحضور ﷺ کا معلّمانہ معجزہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ انکے فیضان سرمدی نے جو شاگرد (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین---- لاریب پاک نفس اور قدسی صفات انسانوں کا گروہ) تیار کئے، اس کے ثمرات زندگی کے ہر میدان میں آج بھی ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

تعلیم نسواں:- ایک حدیث کی رو سے علم حاصل کرنا تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر فرض ہے۔ اس حدیث سے تعلیم نسواں کا ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے۔

لڑکیوں کی تربیت اور شادی کا بہت ثواب ہے۔ ہادی اسلام ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص اپنی دو لڑکیوں کی پرورش ان کے بالغ ہونے تک کرے گا، وہ اور میں اس طرح جنت میں داخل ہونگے جس طرح ہاتھ کی دو انگلیاں ملائی جائیں۔ جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، انہیں پڑھایا، سلیقہ سکھایا، ان کے ساتھ نیک سلوک کیا، پھر ان کی شادی کر دی تو وہ جنتی ہو گیا۔"

آنحضرت ﷺ کے دور میں چھوٹی بچیوں کے لئے گھریلو مدرسے قائم کئے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر انہی مدارس میں سے ایک تھا۔ بڑی عمر کی عورتوں بلکہ خادماؤں اور کنیزوں تک تعلیم و تربیت گھر کے مردوں کے ذمہ تھی۔ بعض اوقات خود حضور ﷺ عورتوں کی تعلیم کے لئے خاص دن مقرر فرمایا کرتے تھے۔

بچوں کے حقوق :- محسن انسانیت ﷺ کی محبت اور شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے۔ قرآن و حدیث میں جو کچھ بچے کی تربیت و نگہداشت کے بارے میں آیا ہے' اس کا خلاصہ حضور پاک ﷺ نے اپنی زبان عالیہ میں یوں بیان فرما دیا۔ "اِعۡدِلُوۡا اَوۡلَادَ کُمۡ" (اپنی اولاد سے عدل کرو) یعنی اسے اسکے بنیادی حقوق (پرورش' تعلیم' تربیت' نگہداشت اور حلال و طیب روزی) بھی دو اور اس سے سلوک میں افراط و تفریط سے بھی کام نہ لو۔ یہ نہ ہو کہ بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دو یا بڑی اولاد کو دیگر پر فوقیت دو یا چھوٹی اولاد سے زیادہ محبت رکھو۔ بلکہ سب کو ایک ہی جیسی محبت اور توجہ دو کہ یہی عائلی زندگی کا حسن ہے۔ یہی اولاد کو احساس برتری اور احساس کمتری جیسے موذی عوارض سے بچاتا ہے۔ یہی اسے متوازن و معتدل بناتا ہے۔ یہی احساس مساوات معاشرے کو ہموار اور سماجی ماحول کو خوشگوار رکھتا ہے۔

سماجی و معاشی اطمینان :- آنحضور ﷺ کی ہجرت مدینہ کے ساتھ ہی قریباً پینتالیس اہل مکہ (جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے) مدینہ شریف پہنچے۔ وہ عموماً کاروباری لوگ تھے' خوشحال تھے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ خوش بخوش تھے اور گو قبول اسلام کی پاداش میں کفار مکہ نے انہیں ہر قسم کی اذیت دی تھی اور ضرر پہنچایا تھا تاہم وہ اتنے جی دار اور ثابت قدم نکلے کہ ٹس سے مس نہیں ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی دلنواز محبت میں رہ کر کندن بن گئے۔ چنانچہ وہ اپنے سب عُلائق دنیا چھوڑ چھاڑ کر مدینہ شریف آ گئے جو ان کے لئے دیار حبیب تھا۔ وہ یہاں بے حد خوش تھے کہ بالآخر انہیں ایک ایسا قطعہ زمین مل گیا تھا جہاں وہ آزادی سے سانس لے سکتے تھے۔ اپنے نظریئے کے مطابق زندگی گذار سکتے تھے اور ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھ سکتے تھے۔ لیکن حضور پاک ﷺ کی بصیرت' فراست' حساسیت اور نظر ابد آشنا پر یہ منکشف ہونے کے باوجود کہ سماجی فراق اور معاشی بے سروسامانی محض ایک عارضی کیفیت تھی اور ان کے سماجی رشتے اور معاشی وسائل بہت جلد بحال ہونے والے تھے۔ آپ ﷺ کو انکے مافی القلب کا پورا احساس تھا اور "عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ"

(سورۃ التوبہ : ۱۲۸۔ "تمہیں تکلیف ہو تو ان ﷺ کو گراں گذرتی ہے") کے مطابق آپ کو یہ عارضی سی تنہائی بھی گوارا نہ تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کو بلا کر رشتۂ اخوت میں منسلک کر دیا۔ اسلوب حسین تھا اور اس پر عمل حسین تر۔ ہر انصاری اپنے مہاجر بھائی کو اپنے ساتھ لے گیا اور اسے اپنے مکان' اپنے مکان کا سارا سازوسامان' اپنے قطعات زمین اور اپنے باغات وغیرہ دکھا کر کہا کہ "ان مملوکات کا نصف آپ کا اور نصف میرا" اور یوں اخوت کا ایک ایسا نادر نمونہ پیش ہوا کہ خونی رشتے بھی حقیر ہو کر رہ گئے۔ ایسی مساوات قائم ہوئی کہ وہ سب ایک ہی تسبیح کے دانے بن گئے۔ ایک ایسی معاشی تعدیل وجود میں آئی کہ تاریخ عالم نہ اس سے پہلے اور نہ اسکے بعد کوئی ایسی مثال پیش کر سکی۔

نتیجتاً ایک ایسا معاشرہ برپا ہوا کہ مسلمان ستاروں کا جھرمٹ بن گئے اور افراد چندے آفتاب اور چندے ماہتاب بن کر ابھرے۔ ایک ایسی تہذیبی تحریک پیدا ہوئی کہ ساری دنیا نے اسی کی موج روح پرور کو ترقی کا زینہ اور عظمت کی معراج سمجھا۔ گویا سرور کونین ﷺ نے سماجی و معاشی توازن و تعدیل کو انسانوں کا ایک ایسا بنیادی حق سمجھا جسے عارضی طور پر بھی معطل یا موخر یا ساقط نہیں کیا جا سکتا۔

آزادیٔ گفتار و اظہار:- حضور پاک ﷺ حسن تکلم میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ لیکن فرمان خداوندی (**شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ**) کے مطابق نہ صرف اپنے مصاحبین سے لازماً مشورہ لیتے تھے' کھلے دل و دماغ سے ان کی بات سنتے تھے اور اپنے نقطۂ نظر میں اس کے مطابق ترمیم و تبدیلی بھی کرتے تھے بلکہ عامی سے عامی انسان کو بھی برملا اپنا مافی الضمیر بیان کرنے اور تنقید کرنے کا پورا حق دیتے تھے۔

حضرت اسماء بنت یزید انصاری رضی اللہ عنہا صحابیات کے قاصد کی حیثیت سے مجلس نبوی ﷺ میں آئیں اور شکوہ کیا کہ "آپ دونوں اصناف کے نبی ہیں اور ہم آپ ﷺ پر اور اللہ پر ایمان لائیں' لیکن ہماری جماعت مکانوں میں مقید' پردوں میں بند' مردوں کے گھروں میں گڑی ہوئی اور ان کی خواہشات پر مامور اور ان کی اولاد کی حاملہ ہیں۔ مگر بایں ہمہ وہ کارہائے ثواب میں ہم سے آگے بڑھے رہتے ہیں۔ نماز باجماعت

میں شریک، نماز جمعہ میں شریک اور جنازوں میں شریک ہوتے ہیں۔ حج پر حج کرتے ہیں اور جہاد میں شریک ہوتے ہیں تو ہم ان کے اموال کی محافظ ہوتی ہیں۔ انکے لئے کپڑا بنتی ہیں اور ان کی اولاد کی خبر گیری کرتی ہیں۔ کیا ہم ثواب میں انکی شریک نہیں؟"

آنحضورﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا "کیا تم نے دین کے بارے میں اس سے بہتر سوال کرنے والی سنی؟" صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہﷺ! ہمیں خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال کر سکتی ہے؟" اس کے بعد آپﷺ نے اسماء سے فرمایا "عورت کا اپنے خاوند سے اچھا برتاؤ کرنا، اس کی خوشنودی ڈھونڈنا اور اس پر عمل کرنا، ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے جنہیں تم نے مردوں کے لئے مخصوص سمجھ رکھا ہے"۔

آزادیٔ ضمیر:- آنحضورﷺ نے یہود مدینہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا جسے میثاق مدینہ یا دستور مدینہ بھی کہا جاتا ہے، اس کے مطابق انہیں اپنے عقیدہ و عبادت کی پوری آزادی بھی دی گئی اور ان کی جان، مال اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت بھی! گو یہودیوں نے معاہدہ کی دیگر دفعات کو (جو زیادہ تر باہمی دفاع سے متعلق تھیں) خود ہی توڑ دیا اور اس کا خمیازہ بھگتا۔ لیکن اس عہد شکنی کے باوجود سرور کونینﷺ نے ان کے حق عبادت اور حق تحفظ پر ذرا سی آنچ بھی نہیں آنے دی اور اسے تاریخ عالم میں ایک مینارہ نور کی طرح قائم و دائم رکھا۔

علاج معالجہ:- آنحضرتﷺ نے عیادت کو ایک فریضہ سمجھا اور اپنے بدترین دشمنوں کی بھی عیادت کی یعنی انہیں حوصلہ دیا۔ مشورہ دیا اور ان کے دلوں میں اللہ کی رحمت کی جوت جگائی۔

ایک دیوانی عورت بھری مجلس میں آئی اور اول فول اور واہی تباہی بکتی رہی۔ کبھی روتی، کبھی ہنستی، کبھی چیختی چلاتی رہی۔ صحابہ کرام برا مناتے رہے۔ لیکن آپﷺ اس کی حرکات و سکنات دیکھتے رہے، مسکراتے رہے اور دعا مانگتے رہے اور وہ مجلس سے باہر نکلی تو فرزانوں سے زیادہ فرزانہ تھی۔ یہ نفسیاتی طریقہ علاج تھا۔

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے "گلستان" میں ایک حکایت لکھی ہے کہ عجم کے

بادشاہوں میں سے کسی نے ایک ماہر طبیب کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں بھیجا۔ وہ کئی سال تک عرب کی ولایت میں رہا۔ کوئی آدمی علاج کے لئے اس کے پاس نہ آیا۔ وہ طبیب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ وہ اصحاب کے علاج کی خاطر بھیجا گیا تھا مگر کسی نے توجہ نہیں کی۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا "اس جماعت کا ایک طریقہ ہے کہ جب تک بھوک خوب نہیں لگتی، نہیں کھاتے اور ابھی تھوڑی بھوک باقی ہوتی ہے کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔" طبیب نے کہا۔ "یہی تندرستی کا سبب ہے۔" بعد ازاں زمین کو بوسہ دیا اور رخصت ہو گیا۔

انسانیت کی سربلندی:۔ حضور پاک ﷺ کے فرمودات اور احکامات کی روشنی میں جنگ کے موقعہ پر کسی کہن سال، بچے، کمسن اور عورت کو قتل نہ کیا جاتا۔ دشمن کی گرفتاری کے بعد اسے تیروں کا نشانہ یا تلوار سے قتل نہ کیا جاتا۔ عہد کو سختی سے نبھایا جاتا۔ قاصد کو امان دی جاتی۔ اسیران جنگ کو تکلیف دینے کی بجائے انہیں اچھا کھلایا اور آسان شرائط پر رہا کیا جاتا۔ مال غنیمت میں یتیموں، غریبوں اور مسافروں کا بھی حصہ رکھا گیا۔ اسلام نے جہاد کو اتنا پاک اور منزہ کر دیا کہ وہ افضل ترین عبادت ٹھہری۔ جہاد کا مقصد یہ ہوا کہ مظلوموں کو ظلم سے نجات دلائے تاکہ جابر اور ظالم کمزوروں پر ستم کا ہاتھ نہ بڑھا سکیں۔ سراپا رحمت ﷺ نے جنگ بدر میں لڑائی کا باقاعدہ آغاز نہ ہونے سے پیشتر بدر کے واحد چشمہ سے دشمن کو پانی پینے سے نہ روکا۔

فتح مکہ پر رحمت عالم ﷺ جوش میں آئی اور ارشاد ہوا: "جاؤ! تم سب آزاد ہو۔ آج تم سب کے لئے معافی ہے۔" حضور اقدس ﷺ اس قرآنی اصول کی زندہ تفسیر تھے کہ دشمن کا دل اسکے ساتھ نیکی کر کے جیت لینا چاہئے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ پہلی مثال تھی جب ایک طاقتور فاتح نے نہ صرف اپنے بدترین دشمنوں کو لاجواب دریا دلی سے معاف کر دیا بلکہ انہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ظلم اور جبر سے کام لینے کی بجائے اپنے "خلق عظیم" کی کشش سے کام لیا۔۔۔۔ ہادی اسلام ﷺ بلاشبہ حامل خلق عظیم اور رحمتہ للعالمین تھے اور اپنی تعلیمات کے سبب آج بھی رحمتہ للعالمین ہیں اور ابد الاباد تک رحمتہ للعالمین رہیں گے۔

امتیاز رنگ و بو کا خاتمہ :- حضور پاک سرور کائناتﷺ نے فرد کی روحانی اور اخلاقی اصلاح اور تعمیر پر سب سے زیادہ توجہ دی، اپنے ساتھیوں کے دلوں کو روحانیت سے بھر دیا۔ رنگ، نسل، خاندان، قبیلے، علاقے اور وطن کے امتیازات کو مٹا دیا۔ عورتوں اور غلاموں کو برابری کے حقوق دیئے اور دلائے۔ غرضیکہ سب انسانوں کو برابری کا درجہ دیا خواہ وہ کسی پیشے سے تعلق رکھتے ہوں، انہیں عزت اور عظمت کے ایک تصور سے آشنا کیا۔ اخوت و حریت کی تشکیل کی۔ گویا انسانوں کو یہ سب حقوق انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) اور یو۔این۔او کے بنیادی حقوق کے چارٹر سے صدیوں پہلے ملے۔

عدل و انصاف :- اسلامی نظام عدل کی ایک اہم ترین خوبی یہ ہے کہ وہ معاشرے کی تربیت خوف خدا اور تصور آخرت کی بناء پر کرتا ہے۔ نتیجتاً معاشرہ اندر سے تبدیل ہوتا ہے۔ اسی اندر کی تبدیلی کے بعد ہی قانون شکنی اور سرکشی سر نہیں اٹھاتی۔ اسی لئے قرآن کریم میں سینکڑوں آیات کے علاوہ متعدد احادیث انسان کے باطن کو بدلنے والی اور اسے خوف خدا اور آخرت سے پیوستہ رکھنے والی ہیں۔

امام الانبیاء، خاتم النبین، رحمتہ للعالمینﷺ نے خطبہء حجتہ الوداع جو اسلامی تعلیمات کا حاصل اور نچوڑ ہے اور منشور انسانیت ہے، میں یہ اعلانات کرکے انسانی حقوق کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تحفظ فراہم کر دیا--- "ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جاسکو۔ تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے"----- چنانچہ (اس آیت کی روشنی میں) نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔

"ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خود

کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔"

"جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کے) ربیعہ ابن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔"

"جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان عباس بن مطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔"

"عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔"

"تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔"

"خدا نے ہر حقدار کو (ازروئے وراثت) اس کا حق دے دیا۔ اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے۔"

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ ہوا۔ زنا کار کے لئے پتھر ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔" "جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے، اس پر خدا کی لعنت ہے۔"

"ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ لینا جائز نہیں ہے۔ قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔"

بالاتر آنکہ حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی رہنمائی کے لئے ہدایت ربانی کا مجموعہ امت کے سپرد کیا اور تاکید فرمائی: "میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ۔"

سَرورِ کائنات ﷺ بحیثیت داعیٔ اَمن و اخوّت

(سُورۃ الانفال کی آیۂ کریمہ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ" کی روشنی میں)

لیفٹیننٹ کرنل پی۔ایم۔کول نے اپنی کتاب دی ان ٹولڈ سٹوری The Untold Story (ان کہی کہانی) میں لکھا ہے کہ حضرت انسان کی پانچ ہزار سالہ تحریری تاریخ میں پندرہ ہزار جنگیں ہوئی ہیں، گویا اوسطاً تین جنگیں فی سال ہوتی رہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس پانچ ہزار سالہ دور میں صرف تین سو ایسے خوش قسمت سال تھے جب باقاعدہ اور گرم جنگ نہیں ہوئی گویا اس دور کا صرف چھ فیصد حصہ جنگ سے محفوظ رہا لیکن وہ بھی زیادہ تر اس لئے کہ یہ کسی جنگ کے بعد کا وقفہ تھا یا پھر کسی جنگ کی تیاری کا زمانہ تھا اور جنگ کا مطلب کیا ہے؟ انسانوں کی موت، مرگ انسانیت! پہلی جنگ عالمگیر میں آٹھ ملین انسان مارے گئے اور دوسری جنگ عالمگیر میں پچاس ملین موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۸۵ء کے عرصے میں کوئی بڑی اور عالمگیر جنگ تو نہیں ہوئی لیکن ڈیڑھ سو چھوٹی چھوٹی جنگیں ہوئیں، جن میں تیس ملین انسان کام آئے۔ ۶، اگست ۱۹۴۵ء کو ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایک ہی ایٹم بم نے (جسے "چھوٹا لڑکا" کا ستم ظریفانہ نام دیا گیا تھا) ایک لاکھ اکتالیس ہزار انسانوں کی جانیں قبض کرلیں اور آج تقریباً" پچاس ہزار ایٹم بم موجود ہیں اور نیوکلیئر آلات کا عالمی ذخیرہ دوسری جنگ عالمگیر کے مجموعی بارود سے دو ہزار چھ سو گنا زیادہ بارودی طاقت رکھتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ تباہ کاری کے آلات ایٹم بم سے بھی آگے بڑھ کر ہائیڈروجن بم، نیوٹرون بم، کروزمیزائل اور سٹار وار تک جا پہنچے ہیں۔

کیا یہ آلات بقائے انسانی کے لچھن ہیں؟ کیا یہ پرخطر اور دہشت انگیز حالات جنگ کے خاتمے یا نقص امن کے سدباب یا عالمی امن کے قیام کے لئے ممدومعاون ہو

سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ اور روس کے درمیان تخفیف اسلحہ کا جو معاہدہ ہوا تھا اور اسکی بناء پر جو عملی اقدامات کئے گئے ہیں وہ صحیح سمت میں پیش رفت ہے، خوش آئند ہے، ایک عمدہ مثال ہے اور اس سے کم از کم فوری فنائے انسانیت کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ لیکن یہ صرف خوش فہمی ہے۔ امریکہ اور روس آج بھی رابرٹ جے اوپن ہیمر کے الفاظ میں "ایک ہی بوتل میں دو بچھو ہیں، ایک دوسرے کو مارنے پر قادر لیکن اپنی موت کا خطرہ مول لے کر" --- وہ آج بھی بقول رینالڈ ریگن "دو ایسے آدمی ہیں جو ایک دوسرے کی کنپٹی پر پستول رکھے ہوئے ہیں۔"

اگر بفرض محال یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ امریکی اور روسی واقعی اب انسان کشی کی اس دوڑ سے تائب ہو گئے ہیں تو بھی ان دو بڑوں کے علاوہ کم و بیش نو اور ملک یا طاقتیں بھی نیو کلیئر ہیں جو ۲۰۰۰ء تک اندازاً" بیس یا اس سے بھی زیادہ ہو جائیں گی۔ جب پلوٹونیم اتنا زیادہ ہو گا کہ ہیروشیما والے ایٹم بم سے زیادہ بڑے سائز کے ناگاساکی بم (جسے "موٹا آدمی" کا نام دیا گیا تھا اور جو ۹ اگست ۱۹۴۵ء کو گرایا گیا تھا اور جس نے آدھا ناگاساکی ملیا میٹ کر دیا تھا) جیسے پچھتر لاکھ بم سالانہ تیار کئے جا سکتے ہونگے!

تو پھر کیا ان امن سوز اور حوصلہ فرسا حالات میں "دوستو! سوچنا چھوڑ دو" کے مصداق Psychic Shut Down یعنی "سوچنے سے انکار" سے کام لیا جائے؟ مگر یہ کوئی رویہ نہیں یا پھر یہ گھر پھونک تماشہ دیکھنے کا رویہ ہے، خود سوزی اور خودکشی کا رویہ ہے جو حضرت انسان کے لئے نہ مستحسن ہے نہ اسکے شایان شان! انسان کی تو پہچان ہی یہ ہے کہ خطرہ جتنا مہیب ہو گا اسکی جدوجہد، تدبیر آزمائی اور جگر کاری اتنی ہی عظیم ہو گی۔ نیّرِ فضائی کی کرنیں ڈوب سکتی ہیں لیکن نیّرِ اُمید کی کرنیں کبھی نہیں ڈوبتیں۔ اس نیّرِ اُمید کو ہم مذہب بھی کہتے ہیں اور اسلام بھی اور اس نیّرِ اُمید کی ایک کرن وہ آیۂ کریمہ ہے جو اس مضمون کی محرّک بنی ہے۔ (سورہ الانفال : ۲۴)

بات صرف اتنی ہے کہ موجودہ انسان اپنا انداز فکر بدلے۔ یہ تبدیلی نہ صرف موجودہ دلدوز حالات کا تقاضا ہے بلکہ خود نظریۂ ارتقاء کا منطقی مطالبہ بھی ہے۔ جیسے قدیم دور کا انسان فرد سے خاندان میں بدلا اور متوسط دور کا انسان خاندان سے اوپر اٹھ

کر قبیلے میں ضم ہوا اور جیسے موجودہ دور کا انسان قبیلے سے اوپر اٹھ کر قوم میں مدغم ہوا' ایسے ہی موجودہ بلکہ آئندہ انسان کو قوم سے اوپر اٹھ کر امت واحدہ ("یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے' سب ایک دین پر (امت واحدہ) اور میں ہوں رب تمہارا' سو میری بندگی کرو"۔ سورہ الانبیاء : ۹۲)----- "اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے' سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب' سو مجھ سے ڈرتے رہو"۔ "سورہ المومنون : ۵۲) میں ضم ہونا ہو گا۔ اس میں نہ بد دل ہونے کی کوئی بات ہے نہ چیں بجبیں ہونے کی' نہ خاندان کا وجود فرد کی نفی تھا اور نہ قبیلے کا وجود خاندان کی نفی۔ نہ قوم کا وجود قبیلے کی نفی تھا اور نہ امت واحدہ کا وجود قوم کی نفی ہو گا۔ فرق صرف یہ پڑا کہ فرد اور خاندان میں تقدم خاندان کو حاصل ہوا اور خاندان اور قبیلے میں تقدم قبیلے کو ملا اور قبیلے اور قوم میں تقدم قوم کو نصیب ہوا اور قوم اور امت واحدہ میں تقدم امت واحدہ کو حاصل ہو جائے گا۔

عملاً اس کا مطلب یہ ہوا کہ افراد کی صلاحیتیں خاندان کی فلاح و بہبود پر صرف ہونے لگیں۔ خاندانی صلاحیتیں قبیلے کی اصلاح و ترقی اور قبیلے کی صلاحیتیں قوم کی پیش رفت پر استعمال ہونے لگیں۔ ایسے ہی قومی امکانیات امت واحدہ کی بہبودی پر مرکوز ہونگی۔ فرد کا دائرۂ کار ایک گھر تک محدود تھا' خاندان ایک گاؤں پر پھیل گیا' قبیلہ ایک علاقے پر محیط ہو گیا اور قوم ایک ملک کی مالک ٹھہری اور امت واحدہ براعظموں' شمالی اور جنوبی کرے اور مشرق اور مغربی نصف کرے کی بجائے پورے کرہ ارض پر محیط ہو گی۔ فرد تو اپنا امیر' وزیر اور مشیر خود ہی تھا مگر خاندان کو افراد کے تجربہ کی روشنی میسر ہو گئی۔ قبیلے کی قیادت خاندانوں کے بہترین افراد کو ملی۔ قوم کو قبیلوں کے نمائندوں کے سربراہی نصیب ہوئی۔ ایسے ہی امت واحدہ کی باگ ڈور اقوام کی بہترین نمائندوں کے ہاتھ میں ہو گی۔

امت واحدہ کا تصور بے حد دلربا' روح افروز اور مخمور کن ہے اور اس کے نقش و نگار اور خدوخال کی نقشہ کشی ایک بہت ہی دلچسپ اور پر امید مشغلہ و منصوبہ ہے۔ لیکن نہ تو امت واحدہ کا ظہور و قیام اتنا آسان ہے اور نہ ہی اسکا ظہور و شہود

ہمہ سطحی قیام امن کی ضمانت ہے۔ اسے واقعی ایک عمل پذیر اور مؤثر ادارہ بنانے کے لئے جنگ کے اصلی (اصلی نہ کہ روایتی) محرکات اور قیام امن کے اصلی (اصلی نہ کہ روایتی) لوازمات کا ادراک ایک بنیادی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس نکتہ نظر سے تاریخ عالم پر نہایت تعمق و تدقیق سے غوروفکر کیا جائے تو صاف مترشح ہوتا ہے کہ جنگ و امن کا مسئلہ اصل میں فطرت انسانی کا مسئلہ ہے جو عبارت ہے متضاد و متصادم عناصر سے۔ انسان کے اندر بہم متخالف جذبات کار فرما ہیں۔ آپ انہیں خیرو شر کہیں یا ایثار و استحصال یا مثبت و منفی تمام انسانی جنگیں اصلاً" نتیجہ ہیں شر' استحصال اور منفی جذبات اور ان سے جنم لینے والے عزائم اور جارحانہ کارروائیوں کا' لہٰذا جب تک یہ تخریبی جذبات مسخّر نہ کئے جائیں اس وقت تک جنگ کا خاتمہ بھی ناممکن ہے اور امن کا قیام بھی۔ لیکن عجیب بات ہے کہ یہی منفی' تخریبی' استحصالی اور شرانگیزانہ جذبات ہی انسان کی قوت محرکہ Motive Force ہیں۔ اگر انہیں سرے سے ختم کر دیا جائے جیسا کہ بعض فلسفوں نے کوشش کی ہے تو انسان ادھ موا ہو جائے گا اور نیم انسان بن کر رہ جائے گا اور اپنی کسی ماقبل انسان شکل کی طرف لوٹ جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان ہلاکت خیز اور جہانسوز جذبات کو مسخر کر لیا جائے' انہیں تصرف میں لایا جائے ' انہیں منضبط کیا جائے اور انہیں مثبت جذبات کی پشت پناہی پر مامور کیا جائے تو یہ خیروبرکت ' ایثار و اقدار' امن و سلامتی' اخوت و مساوات' عدل و احسان اور حریت و انسانیت کے قوی ترین ایکسیلریٹر ثابت ہوتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ناگزیر جذبات کو تابع کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ کیا انسان محض اپنے علم و عقل کی بدولت ایسا کر سکتا ہے؟ اگر ایسا ممکن ہوتا تو شاید یورپ اس وقت اس کرۂ ارض کا منضبط ترین حصہ ہوتا کیونکہ یورپ اس وقت علم و خرد کے لحاظ سے بلند ترین درجے پر فائز ہے۔ مگر کثرت علم و وفور عقل نے اسے ان منفی جذبات پر قابو پانے کی توفیق نہیں دی بلکہ اس نے ان جذبات کو پہلے سے کئی گنا زیادہ مہیب اور گھمبیر بنا دیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل و فہم اور علم و فن نے موجودہ انسان کو زیادہ سے زیادہ فوائد بہم پہنچائے ہیں۔ اس کی تہذیب کو ایک اعلیٰ درجے تک پہنچایا ہے اور ارض و سما میں مزید پیش قدمی کے راستے کھولے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہوائے نفس بھی بڑھی ہے اور انسان کے سامنے آج بھی سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ یہی ہے کہ کیا انسان اپنی حرص و ہوا پر قابو پا سکتا ہے؟ کیا بحروبر' فضاء و خلاء اور ارض و سما پر کمندیں ڈالنے والا انسان اپنے آپ کو لگام دے سکتا ہے؟ مختصراً" کیا انسان اپنے آپ کو اپنے آپ سے بچا سکتا ہے؟

قنوطیت پرست اسکا جواب نفی میں دے گا اور وہ ایک ایسا حل تجویز کرے گا جس سے انسان اپنی زندگی کے جوہر سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے مگر رجائیت پسند اس کا جواب اثبات میں دے گا کیونکہ زندگی امید سے ہی پھوٹتی ہے' امید سے ہی پھلتی پھولتی ہے' امید سے ہی بھنوروں کو پار کرتی ہے اور امید سے ہی پیہم رواں دواں اور ہر دم جوان رہتی ہے۔

لہٰذا انسان کا ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہتر و برتر انسان بننے کا ہر امکان موجود ہے اور مایوسی کا نہ کوئی جواز ہے نہ گنجائش بشرطیکہ وہ اپنے اوپر' از خود کسی اعلیٰ تر پابندی کا قائل ہو جائے' اپنے اوپر ایک ازلی و ابدی گرفت کو مان لے' اپنی زندگی کو ایک امتحان' ایک آزمائش اور ایک چیلنج سمجھ لے' اپنے آپ کو مورد احتساب گردان لے اور اپنے آپ کو کسی ارفع تر اور مافوق البشر ہستی کے سامنے جواب دہ تسلیم کرے۔ دوسرے الفاظ میں وہ توحید کا دامن تھام لے اور کسی ایسے بشر کامل کے حلقہء ارادت میں چلا جائے جو خالص ترین توحید کا حامل' عامل اور قیم ہو۔ کم از کم مسلمانوں کے نزدیک ایسا بشر کامل اور ایسا ہادیء اکمل آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ و اسوۂ حسنہ میں موجود ہے اور اسے ہر صحیح الفکر اور مستقیم الذہن غیر مسلم حکیم و دانشور نے بھی تسلیم کیا ہے۔ وہ ایک طرف بشریت کا عمدہ ترین نمونہ ہیں تو دوسری طرف خاتم الانبیاء اور امام الانبیاء بھی ہیں۔ وہ ایک جانب انسان کی جسمانی و مادی امکانیتوں کا ظہور ہیں تو دوسری جانب اسکی اخلاقی و روحانی رفعتوں اور عظمتوں کا پیکر بھی۔ ان پر نازل شدہ

قرآن تمام کتب الہامی و صحائف آسمانی پر محیط ہے اور وہ ان تمام پر مہیمن ہے جیسے حضور پاک ﷺ کی ذات بابرکات تمام انبیاء پر مہیمن ہے۔

ان کا منصب داعی الی اللہ (سورہ الاحزاب :۴۶) یا مختصراً" داعی اللہ (سورہ الاحقاف :۳۱'۳۲) کا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں---- اللہ تعالیٰ جو واحد القہار ہے۔ احسن الخالقین اور احسن الرازقین ہے' جو خیر الحاکمین' خیر الغافرین' خیر الفاصلین' خیر الفاتحین' خیر الماکرین' خیر الناصرین اور خیر الرازقین ہے' جو نعم الماھدون' نعم المجیبون اور نعم القادرون ہے' جو فالق الحب و النویٰ اور فالق الاصباح ہے' جو خالق' محی اور ممسک الکائنات ہے' جو قاضی الامور اور مدبر الامور ہے اور جو رب العالمین اور احکم الحاکمین ہے اور سرور کائنات آنحضرت ﷺ ہمیں اسی لطیف و خبیر رب العزت کی طرف بلاتے ہیں اور خدائے قدوس کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔" (سورہ الانفال :۲۴)

قرآن حکیم ہر دور کے انسان کے لئے اسکی پوری زندگی کا لائحہ عمل ہے اور مذکورہ بالا آیہ کریمہ اسی کی نشاندہی کرتی ہے۔ قرآن حکیم کی ایک اہم خوبی بلکہ اس کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کی جزئیات پر بھی اتنی ہی توجہ دیتا ہے جتنا اصولیات و اساسیات پر اور پھر اس کی بلاغت تو اپنی نظیر آپ ہے۔ یہ ایک بہت وسیع مضمون کو اپنے مخصوص اور بے تکلف انداز میں اتنے اختصار سے بیان کر دیتا ہے کہ اسکے ایک چھوٹے سے جملے پر سینکڑوں صفحات لکھے جا سکتے ہیں اور تاریخ عالم کا ایک خاص سلسلہء واقعات اسی کی مناسبت سے اسکی پشت پر کھڑا ہوتا ہے۔ آیہ کریمہ میں تو صرف زندگی بخش کام کی طرف اشارہ ہے لیکن قرآن حکیم میں جا بجا ان زندگی بخش کاموں کی تشریح ملتی ہے جن میں سے چند مثالیں ذیل میں درج ہیں :

۱۔ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ (سورہ البقرہ :۱۱)

۲۔ لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرو۔ (سورہ البقرہ :۸۳)

۳۔ نیکیوں کی طرف سبقت کرو۔ (سورہ البقرہ :۱۴۸)

۴۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔ (سورہ البقرہ :۱۹۵)

۵۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی مت بھولو۔ (سورہ البقرہ :۲۳۷)

۶۔ جو کچھ جاتا رہا اس کا افسوس نہ کرو۔ (سورہ آل عمران :۱۵۳)

۷۔ نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔ (سورہ المائدہ: ۲)

۸۔ عدل کرو۔ یہ تقویٰ کے قریب ہے۔ (سورہ المائدہ:۸)

۹۔ کرہ ارض پر پھرو۔ (سورہ الانعام :۱۱)

۱۰۔ اور تم لوگ برا نہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا کہ وہ برا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے، بن سمجھ۔ (سورہ الانعام :۱۰۹)

۱۱۔ کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو۔ (سورہ الاعراف :۳۱)

۱۲۔ جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم ان سے سیدھے رہو۔ (سورہ التوبہ :۷)

۱۳۔ اور مت جھکو ظالموں کی طرف ورنہ تمہیں لگے گی آگ۔ (سورہ ھود :۱۱۳)

۱۴۔ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔ (سورہ الرعد :۲۸)

۱۵۔ اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمہیں اور دیں گے۔ (سورہ ابراہیم :۷)

۱۶۔ اگر تم نیکی کرتے ہو تو اپنے ہی لئے۔ (سورہ بنی اسرائیل :۷)

۱۷۔ اور نہ پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو برتنے کو دی۔ ہم نے ان بھانت بھانت لوگوں کو۔ (سورہ بنی اسرائیل :۱۳۱)

۱۸۔ سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔ (سورہ الانبیاء :۷)

۱۹۔ بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے۔ (سورہ المومنون :۹۶)

۲۰۔ نہ چلو شیطان کے قدموں پر۔ (سورہ النور :۲۱)

۲۱۔ پورا بھر دو ماپ اور نہ ہو نقصان دینے والے۔ (سورہ الشعرا :۱۸۱)

۲۲۔ اور تولو سیدھی ترازو۔ (سورہ الشعرا :۱۸۲)

۲۳۔ اور نہ بھولو اپنا حصہ دنیا سے۔ (سورہ القصص :۷۷)

۲۴۔ اور آخر بھلا ہے تقویٰ والوں کا۔ (سورہ القصص :۸۳)

۲۵۔ اپنے گال نہ پھلا لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اتراتا۔ (سورہ لقمان :۱۸)

۲۶۔ اور چل بیچ کی چال اور نیچی رکھ اپنی آواز۔ (سورہ لقمان :۱۹)

۲۷۔ کہو بات سیدھی۔ (سورہ الاحزاب :۷۰)

۲۸۔ اور برائی کا داؤ الٹے گا اسی داؤ والوں پر۔ (سورہ فاطر:۴۳)

۲۹۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ (سورہ الزمر:۵۳)

۳۰۔ کہیں آدمی کو ملتا ہے جو چاہے؟ (سورہ النجم :۲۴)

۳۱۔ اور آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا۔ (سورہ النجم :۳۹)

۳۲۔ اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ (سورہ الصف :۲)

۳۳۔ بے شک بھلا ہوا اس کا جو سنورا۔ (سورہ الاعلیٰ :۱۴)

۳۴۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (سورہ انشراح :۶)

۳۵۔ اور سجدہ کر اور قریب ہو جا! (سورہ العلق :۱۹)

حقیقت یہ ہے کہ یہ اور اسی قبیل کے چھوٹے چھوٹے قرآنی جملے موتیوں جیسے خوبصورت جملے خود بخود انسان کے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں اور پھر جب یہ جملے سرور کائنات ﷺ کی پر تاثیر زبان سے ادا ہوں اور انکے اسوۂ حسنہ سے مترشح ہوں تو وہ ایک لاکھ بیس ہزار کیا' پانچ ارب کو بھی مسخر کر سکتے ہیں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا بن سکتے ہیں۔ ان کا روزمرہ کا معمول بن سکتے ہیں اور یہ دل سوختہ اور اطمینان باختہ دنیا امن و آشتی اور اخوت و مساوات کا گہوارا بن سکتی ہے۔ انسان اپنی جہالت و حماقت اور اپنی حرص و آز کی وجہ سے دنیا کو دارالمحن بناتا رہتا ہے لیکن حضور پاک ﷺ نہایت تحمل و بردباری اور شفقت و محبت سے قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں اسے ہر وقت دارالسلام یعنی دارالامن بنانے میں لگے رہتے ہیں۔

''امن'' سہ حرفی مادہ ہے ایمان کا گویا ایمان کی بنیاد' اسلام کی اساس ہی امن ہے اور ایمان کا جزو لاینفک امن ہی ہے۔ اس پیغام امن و سلامتی کو اسلام کے ایک ہمہ گیر شعار ''السلام علیکم'' کے ذریعے پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ السلام علیکم کا مطلب یہ ہے کہ تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ یہ ایک مختصر سا دعائیہ جملہ ہے مگر اس میں

ایک مستقل سلامتی کی ضمانت موجود ہے۔ ایک مسلمان جب اپنے بھائی کے لئے اس سے ملاقات کے وقت اسکی سلامتی کی دعا کرتا ہے تو گویا وہ اس کو اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ میری طرف سے تیری جان و مال کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں۔ میں تو تیرے لئے سلامتی کا طالب ہوں۔ جوابیہ وعلیکم السلام دوسری طرف سے اسی ضمانت کا اظہار ہے اور یوں ایک فرد ایک ہی دن میں بیسیوں افراد سے ملتے ہوئے اور کروڑوں افراد ایک ہی دن میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ایک دوسرے کو باہمی سلامتی کا یقین دلاتے ہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا: "**افش السلام**" (یعنی سلام کو پھیلاؤ) سلام کرنے سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

حدیث صرف کہنے کی ہی بات نہیں بلکہ یہ تو اظہار ہے فرمان الٰہی پر اولاً" آنحضورﷺ کے نفس نفیس عمل کرنے کا اور ثانیا" اسے اپنے صحابہ و صحابیات کرام اور دیگر ملاقاتیوں میں پھیلانے اور نافذ کرنے کا۔

فرمان الٰہی تھا:" **وَالصُّلحُ خَیر**" یعنی صلح خیر ہے۔ (سورہ النساء :۱۲۸)

"اگر وہ (یعنی کفار) لڑائی کرتے کرتے اس سے گریز کریں (تم سے نہ لڑیں) اور تمہیں صلح کی پیشکش کریں تو پھر اللہ تمہیں ان سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔" (سورہ النساء : آیت۹۰)

"اگر دشمن صلح و صفائی کا ہاتھ پھیلائے تو تم بھی اپنا ہاتھ آگے کر دو اور اللہ پر توکل کرو۔ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اگر وہ تم سے دھوکہ کرنا چاہیں تو جان لو کہ اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔" (سورہ الانفال : آیت۶۱)

ان اور اسی قبیل کے دیگر فرامین الٰہی پر حضور پاکﷺ نے کس طرح اور کس حد تک عمل کیا؟

کم از کم آنحضورﷺ کی حیات طیبہ اور تاریخ اسلام میں اسکی دو مثالیں ایسی ہیں جو پوری تاریخ عالم میں اپنی مثال آپ ہیں۔ دونوں مواقع پر حضور پاکﷺ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ غالب قوت کے مالک تھے اور تمام آثار و قرائن اور اسباب و وسائل ان کے حق میں تھے لیکن انہوں نے غالب ہونے کے باوجود صلح نامہ حدیبیہ کو

ظاہرا" ایک مغلوب کی طرح قبول کرنے میں بھی ذرا سا تامل نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے "فتح مبین" بنا دیا---- اور فتح مکہ تو گویا انکا شاہکار ہے اور پوری تاریخ انسان اسکے سامنے دست بستہ اور سربسجدہ ہے۔ ایک طرف بیس سالہ ظلم و تشدد، وحشت و بربریت، ریشہ دوانی و دسیسہ کاری اور دوسری طرف رحمت للعالمین کا یہ اعلان جس پر حرف بحرف عمل ہوا کہ "آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔" انتقام کا شائبہ تک نہیں۔ محبت و مودت، رافت و رحمت اور امن و سلامتی کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر رہے، ایک ایسی فتح جس میں نہ کوئی فاتح تھا نہ مفتوح، نہ کوئی غالب تھا نہ مغلوب، نہ کوئی قابض تھا نہ مقبوض، نہ کوئی غاصب تھا نہ مغصوب، ایک ایسی فتح جسے فتح الفتوح کہا جا سکتا ہے، ایک ایسی فتح جو فتح الخیر تھی، فتح الایثار تھی، فتح الایمان تھی، فتح الاسلام تھی اور یہ اس لئے کہ آنحضورﷺ فرمان الٰہی پر ایسے عمل کرتے تھے جیسے فنا فی العمل ہو گئے ہوں، انتہائی حد تک، انتہا الانتہا کی حد تک!!

یہیں پر بس نہیں، یہ تو خارجی دنیا کے ساتھ تعلقات کا پہلو تھا، داخلی دنیا میں کیا لیل و نہار تھے، کیا کیفیت و کمیت تھی، کیا وطیرہ و رویہ تھا؟ اہل مکہ کی ستمرانیوں اور سازشوں کی وجہ آنحضورﷺ فرمان الٰہی کے مطابق مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب (جسے ان کی آمد پر مدینۃ النبیؐ کا نام دیا گیا) تشریف لا چکے تھے۔ جہاں ایک مکمل معاشرہ و مملکت اسلامی کو ظہور پذیر و جلوہ نما ہونا تھا۔ وہ چودہ روز قبا میں ٹھہرے تو انہوں نے مسجد قبا تعمیر فرمائی اور مدینہ میں تشریف آوری ہوئی تو یہاں بھی اولین عملی اقدام مسجد نبوی کی صورت میں رونما ہوا۔ مسجد جو عبادت گاہ بھی تھی اور درسگاہ بھی، دارالمشاورت بھی اور جامع الناس بھی، اسمبلی بھی اور کمیونٹی ہال بھی۔ افسوس کہ بعد کی مسجدیں تعداد میں تو بڑھتی گئیں اور کرۂ ارض کے ہر حصے میں پھیلتی گئیں لیکن چند مساجد کے سوا وہ اپنے اس ہمہ گیر منصب سے ہٹ کر جوئے کم آب بن کر رہ گئیں۔ مسجد کی تعمیر کے بعد پہلا معاشرتی اقدام مواخات تھا جو جتنا اہم، بنیادی، وقت گیر اور امکان پرور تھا اتنا ہی اسے تاریخ، حکومتوں اور بعد کے اسلامی معاشروں نے نظر انداز کیا۔

مکہ میں تو قریش کا ہی طوطی بولتا تھا جو کاروباری اور تجارت پیشہ لوگ تھے اور

کافی حد تک خوشحال۔ مکہ کی قدامت و عظمت کی وجہ سے وہ متولیان کعبہ تھے اور لاکھوں زائرین کی سالانہ آمدورفت انکی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھی۔ لیکن انکے تجارتی قافلے بھی ہر سمت میں جاتے تھے جن سے انہیں کمائی ہوتی تھی۔ اس کے برعکس مدینہ میں عددی اکثریت تو عربوں کو ہی حاصل تھی لیکن سرمایہ داری کی وجہ سے بالادست یہودی تھے۔ عرب دو قبائل حمیری یا یمنی قبائل اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ زراعت کار اور باغبان تھے اور تجارت سے بالکل بے بہرہ، کچھ اپنی جاہلانہ قبائلیت کی وجہ سے اور کچھ طاقتور یہودیوں کی شہ پر یہ ہمیشہ آپس میں دست و گریباں رہتے تھے۔ یہودی انہیں بہ دل و جان قرض دیتے اور پھر سود در سود کے چکر سے انکی زمینات و باغات کے بھی مالک بن بیٹھتے۔ کاروبار امن ہو یا جنگ عرب انکے شرمندۂ احسان تھے۔ آنحضور ﷺ کے متعلق ان کا نظریہ یہ تھا کہ وہ واقعی وہی نبی ہیں جن کی پیشین گوئی تورات و انجیل میں کی گئی تھی لہذا وہ ایمان لائے بغیر انکی آمد کو مدنی عربوں پر اپنے استیلا و استعمار کے لئے کارآمد گردانتے تھے۔

ان دو موجود عناصر کے علاوہ حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرام کی آمد کی وجہ سے مدینہ میں ایک تیسرا عنصر بھی در آیا تھا اور وہ تھا مہاجر عنصر۔ سرور کائنات ﷺ کا اولین اور اہم ترین معاشرتی و سیاسی مسئلہ انہی تین عناصر سے معاملہ بندی کا تھا۔ اگر یہودی (اور عیسائی) اپنی الہامی کتب کی پیشین گوئیوں کی بناء پر آنحضور ﷺ پر ایمان لے آتے تو اسلام اور دنیا کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی لیکن ان کے مفاد پیوستہ مذہبی پیشواؤں نے قریش مکہ کی طرح نہ ایسا کیا نہ ایسا ہونے دیا بلکہ الٹا حضور پاک ﷺ کے نام نامی اور اسلام کو اپنی مطلب براری کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی، لہذا ان سے معاملہ بندی (جو میثاق مدینہ کی صورت میں رونما ہوئی، بجائے خود اسلامی رواداری کی ایک روشن ترین مثال اور اقلیتوں کے تحفظ کے سلسلے میں تاریخ عالم میں پہلا منشور) سے پہلے آنحضور ﷺ نے دوسرے دو عناصر پر توجہ دی۔

اوس اور خزرج کافی حد تک مسلمان ہو چکے تھے اور بہت تیزی سے آغوش اسلام میں آ رہے تھے۔ ان میں نوواردوں کا جوش و جذبہ تھا لیکن قدیم عادات و

روایات بھی بہت راسخ تھیں لہٰذا حضور پاک ﷺ نے اپنے اخلاق فاضلہ اور موعظۂ حسنہ سے انہیں اوس اور خزرج کے محدود و مسدود درجے سے اٹھا کر ایک بلند تر درجے پر فائز کر دیا یعنی انہیں انصار بنا دیا' مددگار' ممدومعاون' دست گیر و دست راست۔ مہاجر تھوڑے سے تھے یعنی صرف ۴۵ یا ۴۶ مگر یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور کفر و ضلالت کی باد صرصر میں چٹان کی طرح کھڑے رہتے تھے۔ ان سے ماضی کا خول بالکل اتر چکا تھا اور وہ سرتاپا کندن بن چکے تھے لیکن وہ ایک عجیب صورت حال کے مظہر تھے۔ انکے کاروبار' حال و منال اور اہل و عیال مکہ میں تھے اور وہ اکثر و بیشتر تن تنہا' بے درم و دام' صرف تن کے کپڑوں میں چھپ چھپا کر مدینہ پہنچ گئے تھے۔ پھر بھی وہ بے حد خوش تھے' مطمئن تھے' مدینتہ النبی تو انکی منزل مقصود تھی اور مجلس حبیب ہی انکا منتہائے حیات تھی۔ ملال کا شائبہ تک نہ تھا۔ ملال تھا تو انکے قائد کو' انکی صعوبتوں' محرومیوں اور تنہائیوں کا احساس تھا تو انکے میر کارواں کو۔ ایک ایسا میر کارواں جس کی نظیر نہ اس سے پہلے ملتی ہے نہ اسکے بعد' جو دیکھتا تھا' محسوس کرتا تھا' سوچتا تھا اور پھر دلنوازی و دلداری کا سائبان اتنا وسیع کرتا تھا کہ صدیوں کے دلدر دور ہو جاتے تھے۔

یہ کسی امیر کبیر یا کسی شہزادۂ ذی وقار یا کسی شاہ تزک و احتشام کا دربار نہیں! یہ ایک سیدھے سادھے' عاجز ترین' حساس ترین لیکن مقتدر ترین انسان کا دربار ہے' یہاں چوبداروں اور نقیبوں کا دخل نہیں' یہاں انسان کا براہ راست انسان سے رابطہ ہے' ایک ایسے خدا مست انسان سے جو عرش بریں پر بھی انسان فراموش نہ ہوا' ایک ایسا انسان جس کی جنبش ابرو تقدیر کے شہپر ہیں' جس کی لب کشائی زندگی کی حرکت و حرارت ہے' جس کی سوچ ازل تا ابد محیط ہے اور جس کی دھڑکن سمندروں کا مدوجذر ہے۔

آنحضور ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ پر تشریف فرما ہیں۔ انصار بھی ہیں اور مہاجر بھی۔ آپ ﷺ انصار میں سے ایک کو بلاتے ہیں اور مہاجرین میں سے ایک کو' اور فرماتے ہیں "یہ تمہارا بھائی ہے" اور یوں پینتالیس

چھیالیس مہاجرین کو پینتالیس چھیالیس انصار کے ساتھ رشتہء مواخات میں پرو دیتے ہیں۔ اس طرح کہ عمر، مزاج اور سماجی مرتبے کا بھی لحاظ رکھتے ہیں تاکہ یہ سب تسبیح وحدت کے دانے بن جائیں اور یوں حضرت ابوبکرؓ ، حضرت خارجہ بن زیدؓ کے، حضرت عمر فاروقؓ ، حضرت عتبان بن مالکؓ کے، حضرت عثمان غنیؓ ، حضرت اوس بن ثابتؓ کے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ، حضرت سعد بن ربیعؓ کے، حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ ، حضرت سعد بن معاذؓ کے، حضرت بلالؓ ، حضرت ابورویحہؓ کے، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیہؓ ، حضرت عباد بن بشرؓ کے، حضرت مصعب بن عمیرؓ ، حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے، حضرت سلمان فارسیؓ ، حضرت ابودرداؓ کے بھائی قرار پاتے ہیں۔ رسمی یا موروثی بھائی نہیں بلکہ دینی بھائی، اسلامی بھائی، آنحضور ﷺ کے نامزد کردہ بھائی، اسم بامسمی انصار بھائی جنھوں نے اپنے گھر کی سوئیوں سے لے کر اپنے سرسبز و شاداب باغات کے پیڑوں تک کے نصف کو دل و جان سے اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے وقف کر دیا۔ اپنی جائیدادوں کا وارث بنا دیا۔ حتیٰ کہ سعد بن ربیعہؓ نے اپنے خداداد بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حضور میں اپنی ننگ و ناموس، اپنی دو بیویاں بھی پیش کر دیں کہ وہ جسے پسند فرمائیں اسے طلاق دے دی جائے تاکہ وہ ان کی منکوحہ بن سکے۔ یہ قابیل و ہابیل والا دنیاوی بھائی چارہ نہ تھا، یہ حضور پاک ﷺ کا قائم کردہ نظام مواخات تھا اور **"انما المومنون اخوۃ"** کی جیتی جاگتی، زندۂ جاوید عملی تصویر۔ اس مواخات پر، اس اقتصادی تعاون و توازن پر، اس قلبی و نظریاتی یگانگت پر سرور کائنات ﷺ نے اسلامی معاشرے کو استوار کیا اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک غیر فانی اصول اور لاثانی نمونہ بنا دیا کہ جب بھی کوئی معاشرہ رفعت و عظمت کی طرف صعود کرے گا تو اسکی خشت اول، اسکی بنیاد اسی مواخات پر ہو گی اور جو معاشرہ اس سے برگشتہ ہو جائے گا اور مواخات سے محروم ہو جائے گا تو پھر وہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا، بگڑ تگڑ جائے گا، بے نور و بے حضور ہو جائے گا جیسا کہ دور حاضرہ کے ایک ارب مسلمانوں کا معاشرہ ہے، من و عن اوس و خزرج کے معاشرے کی مانند!

یہ ایک الگ بات ہے کہ نہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی اس جانبدارانہ پیشکش کو قبول کیا اور نہ اکثر مہاجرین نے اپنے انصار بھائیوں کی نصفا نصفی کو گوارا کیا۔ صرف تھوڑی سی مالی امداد اور کاروباری رہنمائی حاصل کر کے خود جدوجہد کی اور کچھ ہی عرصے بعد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ اس لئے کہ انصار کا جذبہء امداد بھی اسلام کا مرہون منت تھا اور مہاجرین کا جذبہء ترقی بھی اسلام کا ہی پیدا کردہ تھا اور غالباً" اسلام سادہ ترین الفاظ میں نام ہی باہمی امداد و باہمی ترقی کا ہے۔ ایک ایسی امداد جو امداد حسنہ ہو اور ترقی کا پیش خیمہ ہو اور ایک ایسی ترقی جو ترقی مستقیم ہو اور جس کا مقصد باہمی امداد ہو۔

اُمّتِ واحدہ کا تصوّر تاریخ انسان کی منطق کے عین مطابق ہے لیکن یہ ایک زندہ حقیقت اسی وقت بنے گا جب یہ امن و اخوت پر استوار ہو گا۔ وہ امن جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ حدیبیہ اور فتح مکہ کی صورت میں قائم کیا جو نصاب انسانیت کا باب اول ہونا چاہئے اور جس پر عبور اور عمل درآمد جابر سے جابر حکمرانوں اور مملکتوں کے لئے بھی لازمی ہونا چاہئے خواہ وہ چنگیز و ہلاکو ہوں' خواہ امریکہ و روس! وہ اخوت جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات کے اسلوب سے قائم کی اور جو نصاب انسانیت کا باب دوم ہونا چاہئے اور جس پر عبور اور عملدرآمد مفاد پیوستہ طبقوں اور استحصال پسند قوتوں کے لئے لازمی ہونا چاہئے خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی' ہندو ہوں یا بُدھ' پاکستانی ہوں یا عرب' مغربی ہوں یا مشرقی!!۔

سُوئے من آکہ ترا یارِ وفادار منم
ہر چہ داری بمن آر کہ خریدار منم

گر تو شادی و دلِت عزمِ تماشا دارد
بَرِمن آی کہ باغ و گُل و گلزار منم

وگر از ربخ مَعاصی دلِ تو گشتہ ملُول
سُوئے من آکہ طبیبِ دلِ بیمار منم

بیدلی کم کُن واز بیکسیء خویش منال
کہ ترادر ہمہ جا دلبر و دلدار منم

❁

حضور پاک سرور کائنات ﷺ کا نظام عدل

عدل کے معنی ہیں: کسی چیز کو اسکی صحیح، اصلی اور مناسب جگہ پر رکھنا۔ اسکی ضد ظلم ہے۔ فرقان مجید میں عدل سے زیادہ ظلم کا ذکر آیا ہے اور اسکی ہر جہت سے تکذیب کی گئی ہے۔ جیسے اِنّہٗ لَا یُفلِحُ الظّٰلِمُونَ (یقیناً ظالم فلاح نہیں پانے کے) وَمَا لِلظّٰلِمِینَ مِن اَنصَارٍ (اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں) اور نہ گمان کر کہ اللہ ظالموں کے عمل سے غافل ہے وہ تو انہیں ڈھیل دے رہے ہیں اس دن تک جس میں نظریں پتھرا جائیں گی۔ ایک اندازے کے مطابق عدل اور ظلم کے ذکر کی نسبت ایک اور سات کی ہو گی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جنت میں داخلہ اس شرط پر مشروط ہے کہ داخل ہونے والا ظالم نہ ہو۔ اس نے بنی نوع انسان پر ظلم روا نہ رکھا ہو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عدل و انصاف کے واسطہ ہی سے انسان ابدی نجات حاصل کر سکے گا۔

قرآن مجید کے مطابق اسلام کے تین بنیادی تصورات ہیں:

۱:- ایمان، جس کے بغیر کوئی بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

۲:- تقویٰ، اسی سے حقیقی معنوں میں مسلمان بنتا ہے اور اللہ کے نزدیک بزرگ ترین وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

۳:- جہاد فی سبیل اللہ، یہ مسلمان کی معراج ہے اور محبوب حقیقی کی طرف ہجرت کرنے کا نام ہے۔

عدل کی حیثیت کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے ایمان سے اوپر اور تقویٰ کے قریب رکھا گیا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اِعْدِلُوا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ یعنی عدل کرو وہ تقویٰ کے بالکل قریب ہے۔ یہیں سے عدل کی اہمیت اور عظمت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ عدل کے

معنی برابر کے بھی ہیں۔ جو شخص کسی کے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ اتنی ہی برائی کی جائے تو یہ عدل ہے اور اس کو چھوڑ دینا یا اسے معاف کر دینا یا اس سے درگذر کرنا یہ احسان ہے۔ اسلام میں ان دونوں کے الگ الگ مراتب ہیں۔ اللہ نے قانون عدل کو جماعت اور سلطنت کے ہاتھ میں دیا ہے۔ یہ کسی ایک شخص کا کام نہیں ہے اور احسان ہر شخص کے ہاتھ میں ہے اور یوں احسان کرنا محض شخصی معاملہ بن جاتا ہے۔

قانون عدل پر ہی جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے۔ اگر اس کو مٹا دیا جائے تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ تتر بتر ہو جائے اور کسی کی جان و مال اور آبرو سلامت نہ رہے۔ مثلاً اگر ایک شخص جماعت کے کسی فرد کا کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ گناہ درحقیقت اس شخص کا نہیں ہوتا بلکہ پوری جماعت کے نظام کا ہوتا ہے۔ اب اگر پہلی ہی دفعہ اسکی باز پرس نہ کی جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ جرات پاکر اسی گناہ کا ارتکاب کسی دوسرے فرد کے ساتھ کرے۔ اسی کے باعث کوئی مظلوم اپنے ظالم کو معاف کر دینے کا پورا پورا حق نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ اس طرح ایک فرد کے ساتھ نیکی کرکے جماعت کے ہزاروں لاکھوں افراد کے ساتھ گویا برائی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس لئے اخلاق کا قانون عدل کی جگہ دینے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ جو شریعت محمدی میں پوری طرح بروئے کار لائی گئی کیونکہ وہ دنیا کی دائمی شریعت بنی تھی۔

عہد رسالت مآب ﷺ میں ایک شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ پھر جلد ہی منحرف ہو کر بھاگ نکلا۔ اسے ایک صحابی پکڑ کر لائے اور دربار رسالت ﷺ میں پیش کرکے عرض کیا کہ یہ مرتد ہو گیا ہے اور سخت سے سخت سزا کا مستحق ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے دریافت فرمایا کہ "کیا تم نے اسلام برضا و رغبت قبول کیا تھا۔" اس کا جواب نفی میں تھا۔ اس پر ہادیء برحق ﷺ نے فیصلہ صادر فرمایا کہ اس پر کوئی حد نہیں۔ نہ ہی اسے کوئی سزا دی جاتی ہے بلکہ اسے آزاد کرنے کا حکم دیا۔ یہی عدل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اے مسلمانو! حقوق اللہ پر قائم رہو، عدل و انصاف کے ساتھ گواہی دیا کرو اور تمہیں کسی قوم کی عداوت عدل کی جبل المتین کو ہاتھ سے

چھوڑنے کی تحریک نہ دے۔" (پارہ ۶، سورۃ المائدۃ، آیت ۸)

اسی کی تفسیر ہی ہادی اسلام ﷺ کی پاکیزہ زندگی میں عمل دخل رکھتی تھی۔ قرآن حکیم میں یہ بھی وارد ہوا کہ مسلمانوں کو دشمنوں کے حق میں بھی عدل و انصاف کی تعلیم دی گئی ہے۔

رسول مقبول ﷺ مکہ میں مبعوث ہوئے تھے۔ تیرہ سال تک آپ اسی جگہ پر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے۔ جب آپ کو ہجرت کا حکم ملا تو آپ مدینہ منورہ (یثرب) تشریف لے گئے۔ وہاں اسلام کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا اور مسلمانوں کی تعداد میں دن بدن کثرت ہوتی چلی گئی۔ جہاں ایک جانب آنحضرت ﷺ پر باری تعالیٰ کی طرف سے لوگوں تک حق کا پیغام پہنچانے کا فرض لاگو کیا گیا وہاں باہمی جھگڑوں کے فیصلے کا کام بھی آپ ہی کو تفویض ہوا۔ قرآن پاک کی کئی آیات سے اس فرض کی وضاحت ہوتی ہے۔ جیسے **فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ** (اے رسول! لوگوں کے درمیان ان احکام کے بموجب فیصلہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل کئے ہیں) ایسے ہی مومنوں کو مخاطب کر کے کہا گیا:

"اے رسول! تیرے رب کی قسم! لوگ اس وقت تک مومن کہلانے کے مستحق نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تجھے حَکَم نہ بنائیں گے اور پھر جو تو فیصلہ کرے گا اس پر اپنے دلوں میں کوئی بوجھ محسوس نہ کریں گے اور تیرے ہر حکم اور فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں گے۔" (پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۶۵)

حضرت ام سلمیٰ زوجۂ مطہرہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ دو شخص جن کے درمیان میراث کے معاملہ میں جھگڑا تھا، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "یہ سمجھ لو تم خدا کے رسول کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر رہے ہو۔ میں رسول ہونے کے ساتھ انسان بھی ہوں۔ شاید کسی کے پاس بہترین دلیل حق ہو اور میں تو فیصلہ اسی بناء پر کروں گا جو میں تم سے سنوں گا۔ اگر میرے فیصلے کی وجہ سے تم میں سے کسی کا واقعی حق دوسرے کو پہنچنے لگے تو تم ہر گز ہر گز نہ لینا۔ میں ایسے ناحق لینے والے کے لئے جہنم کا ایک ٹکڑا مانگتا ہوں جو

قیامت کے دن "چمٹے" کی شکل میں تمہاری گردن میں ڈالا جائے گا۔"

یہ سن کر دونوں رونے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: "میں اپنا حق تجھے دیتا ہوں، میں اپنا حق تجھے دیتا ہوں۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اب جبکہ تمہارا یہ حال ہے تو جاؤ اور ٹھیک ٹھاک تقسیم کر لو اور حق پر قائم رہو اور اس بات پر آمادہ رہو کہ ہر ایک تم میں سے دوسرے کے ساتھ حلال اور ٹھیک معاملہ کرے۔"

نبی ﷺ کی عدل و انصاف کی صفت کا اعتراف غیر بھی کرتے تھے اور بعثت سے پیشتر بھی لوگ اپنے مقدمات کو آنحضرت ﷺ کے حضور میں فیصلہ کی خاطر لایا کرتے تھے۔ حجر اسود کا مشہور واقعہ کسے یاد نہیں؟ لوگ خوش خوش ہو کر پکارتے تھے: "محمد ﷺ آ گئے ان کے فیصلہ پر تو ہم سب ہی خوش ہیں۔"

مدینہ میں اکثر غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف مقدمے بارگاہ رسالت ﷺ میں لاتے تھے اور اس میں غیر مسلموں کے حق میں فیصلے ہوا کرتے تھے۔ بسا اوقات یہ مقدمے نامی گرامی صحابہ کے خلاف بھی ہوتے تھے۔ مگر حضور پر نور ﷺ نے ہمیشہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا اور ان جلیل القدر صحابہ کے خلاف بھی فیصلے کئے۔ آپ نے زرہ چوری ہونے پر ثبوت ملنے کے بعد مسلمان کے خلاف اور یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ وہ وقت بڑا ہی نازک تھا۔ اس بات کا انتہائی خدشہ تھا کہ ایک آدمی کے سزا یاب ہو جانے سے اسکا سارا قبیلہ ہی مرتد نہ ہو جائے لیکن آنحضرت ﷺ نے عدل و انصاف کے نفاذ کو ترجیح دی۔

مدینے کے عربوں میں جس کسی عورت کا بچہ زندہ نہ رہتا، وہ نذر مانتی کہ اگر بچہ زندہ رہے گا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی۔ یوں متعدد بچے یہودیوں کے ہاتھ پڑ گئے تھے۔ مدینے کے عربوں نے مسلمان ہونے کے بعد یہ بچے واپس لینے چاہے۔ یہ معاملہ تنازعہ کی صورت اختیار کر گیا اور فیصلے کی خاطر حضور پاک ﷺ کے پاس پہنچا۔ سرور کائنات ﷺ نے فیصلہ کیا کہ جہاں لڑکوں کی مرضی ہو گی انہیں وہاں رہنے کا حق دیا جائے گا۔ کسی پر کسی کا دباؤ نہیں ہو گا۔ چنانچہ جو لڑکے یہودی رہنا چاہتے تھے انہیں یہودی رہنے کی اجازت دی گئی اور جو مسلمان ہونا چاہتے تھے وہ واپس ہوئے۔

عدل و انصاف صرف دوسرے لوگوں کے مابین ہی نہیں بلکہ اپنوں کے درمیان بھی اسی طرح اہم اور ضروری ہے۔ ایک صحابی نے اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو کچھ عطیہ دیا۔ لیکن جب حضورﷺ کو معلوم ہوا کہ اس نے اپنی اولاد کے درمیان مساوی سلوک روا نہیں رکھا تو آپﷺ نے فرمایا :فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْدِلُوْا بَیْنَ اَوْلَادِ کُمْ" (یعنی اللہ سے ڈرو اور اولاد کے مابین عدل کرو)۔

قوانین اسلام میں حکام عدالت کے لئے مندرجہ ذیل صفات لازمی قرار دی گئی ہیں :

حاکم عدالت ترش رو، سخت گیر، عناد کش بالکل نہیں ہونا چاہئے۔ حلیم اور بردبار ہو۔ اسکی دینداری، پاکبازی، دانشمندی اور صلاحیت مانی ہوئی ہو۔ قرآن و حدیث کا ماہر اور اگر صاحب اجتہاد بھی ہو تو سونے پر سہاگہ۔

عدل و انصاف کی راہ میں حضور پاک سرور کائناتﷺ کے ارشادات عالیہ میں سے ذیل کے تین سنہری اصول ہمیشہ مسلمانوں کے لئے نور و ہدایت کا باعث رہے ہیں اور رہیں گے۔

اولاً :- وہ ہم میں سے نہیں جو ظلم میں اپنی قوم کا ساتھ دیتا ہے۔

ثانیاً :- نہ وہ ہم میں سے ہے جو ناانصافی کرنے کے لئے دوسروں کو اپنی مدد پر بلاتا ہے۔

ثالثاً :- نہ وہ ہم میں سے ہے جو ظلم میں اپنے قبیلے کی حمایت کرتے ہوئے مارا جاتا ہے۔

اسلام کے پہلے قاضی تو یقینی طور پر حضور پاک سرور کائناتﷺ ہی تھے۔ اسلامی عدلیہ کے پہلے دور کا آغاز ہجرت نبویﷺ سے ہو کر ۱۵۰ھ کو اختتام پذیر ہوتا ہے۔ یہی دور اپنے تقدس کے ساتھ اور اپنی مکمل خوبیوں کو سمیٹے ہوئے اسلامی عدلیہ کی کامل ترین صورت قرار پاتا ہے۔ یہی قابلِ تقلید ہے اور رہے گا۔

حضورﷺ بحیثیت اَمنِ عالم کے نقیب

قرآن حکیم میں آتا ہے :"جو شخص کسی دوسرے شخص کو قتل کر ڈالے درآنحالیکہ مقتول نے نہ کوئی قتل کیا ہو، نہ کرہ ارض پر کوئی فساد برپا کیا ہو تو گویا اس نے پوری بنی نوع انسان کو قتل کر ڈالا اور جو شخص کسی شخص کو بچا لے تو گویا اس نے پوری بنی نوع انسان کو بچا لیا۔" (پارہ ۶، سورۃ المائدۃ، آیت ۳۲)

حضور پاک سرور کائناتﷺ کا ایک بڑا وصف آپ کی بے مثال رواداری تھی۔ حضور پاکﷺ کے اس وصف کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اے رسولﷺ! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔" (پارہ ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۹)

رحمت عالمﷺ کی نرم مزاج اور رواداری کی یہ خدائی شہادت ان لوگوں کے لئے غور و فکر اور راہ مستقیم کے تعین کا موقع فراہم کرتی ہے، جو مغربی ادب اور فکر کے حوالے سے امن عالم کو ایک حالیہ اختراع قرار دیتے ہیں۔ اہل مغرب کے لئے یہ سوچنا کسی حد تک حقائق پر مبنی ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں ایک صدی پہلے تک محض اکا دکا مفکر اور معلم ہی جنگ کی آفات کو بیان کرنے کے لئے میدان میں نکلے تھے۔ اہل مغرب کے اس نقطہء نظر سے قطع نظر اگر دنیا کی تاریخ کا غیر جانبداری سے مطالعہ کیا جائے تو ہم پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ ہادیء برحق حضرت محمد مصطفیٰﷺ نہ صرف امن عالم کے نقیب بلکہ اس کے عظیم ترین محرک بھی تھے۔ آپ نے ایک ایسا عدیم المثال دین پیش کیا جو قبیلے، نسل، رنگ، زبان، خطے، مذہب اور مسلک سے ہٹ کر تمام انسانی برادری کو ایک ملت واحدہ قرار دیتا ہے۔

تاریخ عالم اس بات کی بھی شاہد ہے کہ محسن انسانیتﷺ کا ظہور ایسے حالات

میں ہوا، جب پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، انسان اور انسان کے درمیان تصادم کے کئی رنگ تھے، اہل عرب تو اپنے تمام تر تنازعات کا تصفیہ جنگ کے ذریعے کرتے تھے۔ مجموعی طور پر دنیا میں دولت، نسب، سماجی حیثیت، سیاسی اقتدار، عسکری قوت اور مذہبی مقام سے فائدہ اٹھا کر مٹھی بھر انسان باقی انسانوں کو غلامی میں جکڑے ہوئے تھے، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا، جنگ کو مذہبی اور قومی بنیادوں پر بہتر سمجھا جاتا تھا۔ جارحیت کو محض حکمران اور جنگجو طبقات ہی عزیز نہیں رکھتے تھے، بلکہ یہ زہر عوام الناس میں بھی سرایت کر گیا تھا، وہ بھی اپنے آقاؤں کے گونج دار نعروں کو پرجوش انداز سے دہراتے اور بالآخر جنگ کے مصائب و آلام کی دلدل میں دھنس جاتے۔ ان حالات میں آپ ﷺ نے مایوسیوں کے ان اندھیروں میں امید اور روشنی کی ایسی شمعیں روشن کیں، جنہیں ظلم کی شدید سے شدید تر آندھیاں بھی نہ بجھا سکیں۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

تاریخِ عالم گواہ ہے کہ محسنِ انسانیت ﷺ نے اپنے قول و فعل سے اولاد آدم کو برابری کی سطح پر لا کھڑا کیا۔ یہ کوئی تخیلاتی یا تصوراتی بات نہیں بلکہ تاریخ کا مکمل اجالا اس کا گواہ ہے۔ نبی پاک ﷺ نے ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کو گواہ بنایا، خدا کی ذات کو گواہ بنایا اور خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا: "آج گورے کو کالے پر اور عرب کو غیر عرب پر کوئی فوقیت حاصل نہیں، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ اللہ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ اپنے اوپر ظلم ہونے دو۔ جس طرح تمہیں اپنی بیویوں پر حق حاصل ہے اسی طرح انہیں تم پر حق حاصل ہے"۔ خطبہ حجتہ الوداع درحقیقت رہتی دنیا تک منشور انسانیت ہے اس میں انفرادی اور اجتماعی مسائل کے حل کے علاوہ امن عالم کا راستہ متعین کر دیا گیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی تھی کہ جس نے عربوں کی انسانی حس کو بیدار کیا۔ انہیں عالمگیر اخلاقیات کا درس دیا۔ ان کی اصلاح کی اور ان کے ذریعے اسلام کا پیغام اہل عالم تک پہنچایا۔ آپ کی لازوال تعلیمات سے نہ صرف عربوں کی روحانی تشنگی دور

ہوئی بلکہ ہر عرب اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن گیا۔ وہ آپ ﷺ کا پیغام لے کر دنیا کے دور دراز ممالک میں پہنچے تو ان کے اخلاقِ فاضلہ، حُسنِ معاملات اور عملی و اطلاقی اسلام نے ان ممالک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسلام کا گرویدہ بنا دیا اور یہ سب کچھ تاریخ کے مکمل اجالے میں ہوا۔

انسانیت کے رہبر اعظم اور امن عالم کے عظیم ترین داعی حضور پاک ﷺ نے دنیا کو وحدت انسانیت اور ہر انسان کے ساتھ بلا تخصیص مذہب و ملت عدل و دیانت کی تعلیم دی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق جو شخص بھی عادل، منصف، ذمہ دار، محتاط، سنجیدہ اور ہمدرد ہے وہ شرف انسانیت کا مظہر ہے۔ نبی پاک ﷺ نے اپنی امت کی دائمی تربیت کے لئے سچے عقائد اور کھرے اعمال کا نظام چھوڑا ہے۔ تاکہ وہ اس کے تحت اپنی زندگیاں گزار سکیں اور دین و دنیا کی فلاح و بہبود کا سامان کر سکیں۔

آج دنیا بھر میں مسلمانوں کی سماجی، سیاسی اور مذہبی حالت دگرگوں ہے اور انہیں مختلف نوعیت کے چیلنج درپیش ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ رہبر اعظم ﷺ کی تعلیمات سے روگردانی کی جا رہی ہے۔ اگر اسلامی تعلیمات پر پختہ یقین کے ساتھ عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ باہمی اتحاد کو فروغ حاصل نہ ہو۔ انہیں فکری اور عملی سیادت نصیب نہ ہو اور مسلمان دنیا میں ہر طرح سرفراز نہ ہوں۔ یہ باتیں اب بظاہر بھولی بسری اور ہوائی نظر آتی ہیں۔ شاید اس لئے کہ اس وقت روئے زمین پر تعلیمات اسلامیہ کی کوئی زندہ اور متحرک ملکی و معاشرتی شکل نظر نہیں آتی لیکن تاریخ کے صفحات سے جھانکتے ہوئے حقائق تو اپنی جگہ اس کا اٹل ثبوت اور اسکی زندہ مثال ہیں۔

تعلیمات رہبر انسانیت ﷺ پر اگر سچے دل سے عمل کیا جائے تو کامیابی اور کامرانی کی راہیں کھلتی ہی جاتی ہیں اور انسان کو روحانی امن و سکون نصیب ہوتا ہے۔ امن عالم کے حوالے سے یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ نبی پاک ﷺ کی تعلیمات کا مقصد اور مدعا امن و سلامتی کا قیام اور نسل انسانی کی حفاظت ہے۔ رسول پاک ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا اس کا بنیادی مقصد جنگ نہیں بلکہ دائمی امن قائم کرنا ہے۔ ایسا انقلاب جو انسانیت کے لئے سلامتی کا باعث ہو۔ جنگ کا مفہوم

تو ہم سب بخوبی سمجھتے ہیں' ان کی تباہ کاریاں پوری تاریخ انسانی پر محیط ہیں۔ حضور پاک ﷺ کے انقلاب کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے جنگ کے مقصد کا تعین کیا اور اس مقصد کے تحت جنگ ایک اعلیٰ اخلاقی' روحانی اور معاشرتی نصب العین کے تحت پائیدار امن کے قیام کا ذریعہ بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جنگ کو جہاد کا نام دیا گیا ہے' جس کا مطلب کوشش اور سعی کرنا ہے۔ یہ ایک پاکیزہ اصطلاح ہے جبکہ جنگ جارحیت بربریت اور تباہی کا دوسرا نام ہے۔

سرزمین عرب میں بھی جو جنگیں لڑی جاتی تھیں ان کی مختلف شکلیں اور اصطلاحیں تھیں۔ نبی پاک ﷺ نے ان سب کو متروک قرار دیا۔ یہاں ایک بات کی وضاحت بے جا نہ ہو گی کہ ہر فرد اور ہر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے حملہ آور سے جنگ کرے اور اسے زک پہنچائے۔ اسلام نے انسانی جبلت' نفسیات اور بقائے حیات کے لوازمات کے عین مطابق جنگ کو جہاد قرار دیا اور حکم دیا کہ:

وَقَاتِلُوْافِی سَبِیلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُونَکُمْ۔

"وہ لوگ جو تم سے لڑتے ہیں ان سے خدا کی راہ میں لڑو"۔(پارہ ۲' سورۃ البقرۃ' آیت ۱۹۰)

جہاد کو خدائی جنگ کا درجہ دے کر اسلام نے جارحیت کے خاتمے کی بے مثال تدبیر بتائی۔ جہاد کا مدعا و مقصد رواداری اور انسان دوستی کے جذبات کا فروغ ہے تاکہ امن عالم پائیدار بنیادوں پر استوار ہو سکے۔ جہاد انسانی تہذیب کی بقا اور ترقی کے لئے ناگزیر ہے۔

جہاد کی اصل روح دیکھنی ہو تو وہ ہمیں غزوات نبوی اور صحابہ کرام کی جنگوں میں نظر آتی ہے فتح مکہ کو ہی لے لیجئے۔ اس شہر میں آپ پر لرزہ خیز ظلم و ستم کئے گئے' آپ کو ہجرت پر مجبور کیا گیا لیکن فتح کے وقت مسلمان تلواریں میانوں میں ڈالے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔

نبی پاک ﷺ کے غزوات کا مدعا و مقصد دنیا کو فتنہ و فساد سے پاک کرنا اور اس

کے باسیوں کو اس قابل بنانا تھا کہ وہ باطل اور ظلم کے تسلط کو کبھی قبول نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک ہر معاملے میں صبرِ و تحمل کی تاکید کرتا ہے۔ لیکن کسی ایسے حملے کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دیتا، جس کا مقصد انسانوں کو مرعوب و مغلوب کرنا اور اثم و عدوان کو مسلط کرنا ہو۔

نبی پاک ﷺ کا نوعِ انسان پر ایک بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے انسانیت کے لئے امن و سلامتی اور خوشحالی کا بہترین راستہ تجویز کیا اور اسے عملی شکل دے کر دکھایا۔ جبھی تو اسلامی آداب میں سلامتی کی دعا اتنی عام ہے کہ اس میں جان پہچان اور دین و عقیدہ کا امتیاز بھی روا نہیں رکھا جاتا۔

حضور پاک ﷺ نے یہ راز بھی فاش کیا کہ عوام کو ہر قسم کی غلامی سے آزاد کرنا اور کرانا تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے لیکن آزادی کے اس جہاد میں جبر و اکراہ کی بجائے محبت و الفت اور عفو و درگذر سے کام لینے کی ہدایت فرمائی۔

نبی پاک ﷺ کے فرمان کے مطابق سوائے ان امور کے جو مذہب و عقیدے سے متعلق ہیں، باقی میں غیر مسلموں کے انسانی حقوق و فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں۔ اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے تمام انسانی برادری کو پر امن بقائے باہمی کی دعوت دی، دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ حضور پاک سرور کائنات ﷺ، پر امن بقائے باہمی کے جو رشتے استوار کرنا چاہتے تھے، ان کے لئے قرآن مجید میں واضح ہدایت موجود ہے۔

"اے اہل کتاب، آؤ ہم ایسی بات پر سمجھوتہ کرلیں جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے۔" (پارہ ۳، سورۃ آل عمران، آیت ۶۴)

آج عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ہر شخص کو عقیدے اور مذہب کی آزادی حاصل ہونی چاہئے، لیکن نبی پاک ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل عملی طور پر ایسا کرکے دکھایا تھا۔ قران پاک نے بھی ان الفاظ میں اس بات کی وضاحت کی کہ:

"لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ"۔ (دین میں کوئی جبر نہیں)۔(پارہ ۳، سورۃ البقرہ آیت ۲۵۶)

حضور پاک ﷺ نے تو اس سلسلے میں انتہائی وسعت قلبی اور رواداری کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے ایک طرف مذہبی نظریات کی آزادی کا اعلان کیا تو دوسری جانب تبلیغ کا ایسا اسلوب دیا جو اپنی نظیر آپ تھا یعنی تبلیغ بالحال جس کی بدولت قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو دیکھنے والے غیر مسلمان انہیں ہر لحاظ سے اشرف الناس سمجھنے لگتے تھے اور خود بخود اسلام قبول کر لیتے تھے۔ جیسے ملائشیا' انڈونیشیا اور چین وغیرہ میں ہوا یا قرون وسطیٰ میں اولیائے کرام کی وجہ سے جنوبی ایشیاء میں ہوا۔ آج گو دنیا میں فاصلے سمٹ گئے ہیں اور انسانی تعلقات کے دائرے وسیع تر ہوئے ہیں۔ بین الاقوامی تعاون و اشتراک اور افہام و تفہیم بڑھا ہے مگر امن عالم محض ایک خواب نظر آتا ہے۔ ایک ایسا خواب جو روز افزوں میزائلوں کی تیاری اور پھیلاؤ کی دوڑ سے شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ضرورت بلکہ اشد اور فوری ضرورت ہے کہ کرۂ ارض کے پانچ ارب انسان بالعموم اور ایک ارب مسلمان بالخصوص آنحضور ﷺ سے اپنا ذہنی و روحانی رشتہ استوار کریں' ان کے اقوال کو اپنائیں جو اعمال کے سرچشمے بھی اور ثمرات بھی تھے اور ان کے اسالیب کو اپنے انفرادی اور اجتماعی نظامات میں جاری و ساری کریں جو ان کی حیات طیبہ اور تاریخ کے انبار سے یوں برآمد ہوتے ہیں :

۱:- جنگ کرنا ہے تو اپنے آپ سے کرو' دوسروں سے نہیں۔

۲:- اگر تم پر جنگ مسلط کر دی جائے تو تمہارے پاس اتنے وسائل' اتنا اسلحہ اور اتنی تربیت ہونی چاہئے کہ نہ صرف تم اپنا دفاع کر سکو بلکہ دشمن کو دندان شکن جواب دے سکو۔

۳:- تمہارے وسائل اور اسلحہ جات قدرت کا عطیہ ہیں وہ اس لئے نہیں کہ تم سوداگری کر سکو اور انہیں ذریعہ معاش و منافع بنا لو یا دیگر اقوام و ملل کو ہر وقت اپنے شکنجۂ خوف و اِستبداد میں لئے رکھو۔ وہ صرف جائز اور ضروری تمتع کے لئے ہیں۔ صرف دفاع کے لئے ہیں' کامیاب دفاع کے لئے جو جارح اور جارحیت کو خود ان کی آنکھوں میں ذلیل کر دے۔

۴:- اگر جنگ میں شکست ہو جائے تو اسے دوسروں کے سر تھوپنے' فاتح سے

مرعوب ہونے یا حوصلہ ہارنے کی بجائے فوراً" اپنا احتساب کرو، اپنی کمزوریوں، بداعمالیوں اور علمی و عملی پسماندگیوں کو دور کرو کہ یہ اصلاح نفس کا موقعہ اور احتساب ذات اور اصلاح نفس، تائید ایزدی کو کھینچ لاتے ہیں۔

۵ :- اگر فتح کرو تو انتقام کے لئے نہیں استحصال کے لئے نہیں بلکہ فتح مکہ کی طرح دوسروں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رام کرنے کی خاطر اور دیرپا اور ابدی امن و امان کی نیت سے۔

۶ :- اگر امن و امان مقصود نظر ہے تو انسانوں کو مواخات دو، مساوات دو، حریت دو، عدل و انصاف دو، کیونکہ امن و امان انہی مبارک درختوں کا پھل ہیں، انہی محبّت خیز کھیتوں کی فصل ہیں اور انہی پر ایستادہ سماجی و اقتصادی نظام کا ثمرہ ہیں۔

❁

اسلامی فلاحی مملکت اور اس کے قیام کے لئے عملی تجاویز

اسوۂ نبوی ﷺ کی روشنی میں

سیّد البشر، خاتم النبیین، رحمتہ للعالمین حضور پاک سرورِ کائنات ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے پتہ چلتا ہے کہ مملکت کا اسلامی تصور یہ ہے کہ وہ فلاحی اور خادم مخلوق ہو۔ اس میں بسنے والوں کو دنیوی اور اخروی دونوں طرح کی فلاح و فوز میسر ہو۔ ایک جانب اگر وہ دین کے علم کی اشاعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نمونہ پیش کرتی ہو تو دوسری طرف وہ امن، انصاف اور معاشرتی عدل کے ساتھ ساتھ مستحق لوگوں کی معاشی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے اپنے وسائل بروئے کار لاتی ہو۔ ایسی فلاحی مملکت تبھی ممکن ہو سکتی ہے جب اس کے باسیوں میں محبت، بھائی چارے اور خلوص کا دور دورہ ہو۔

یہ روح پرور فضا اسی وقت قائم ہو سکتی ہے، جب اقتدار اعلیٰ کا اسلامی تصور اپنا لیا جائے۔ قرآن پاک کی زبان میں مقتدر اعلیٰ کی ذات رب العالمین، رب عرش العظیم، احکم الحاکمین، خیرالفاصلین، الملک القدوس، الملک الحق، اور ملک الناس ہے۔ قرآن مجید ہی کی زبان میں: "اور وہ ذات بڑی عالی شان ہے، جس کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو ان کے درمیان میں ہے، اس کی سلطنت ثابت ہے۔" (القرآن الحکیم، ترجمہ و تفسیر، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، کراچی، ۱۹۸۹ء نمبر ۶۸، پارہ ۲۵، سورہ الزخرف، آیت ۸۴، ۸۵ کے درمیان، ص ۹۵۵) اور پھر قرآن حکیم مزید وضاحت کرتا ہے۔ "سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا۔" (القرآن الحکیم، ترجمہ و تفسیر، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، کراچی، ۱۹۸۹ء، پارہ ۲۷، سورہ النجم، آیت ۲۴، ۲۵ کے درمیان، ص ۱۰۱۵) قرآن پاک پہلے سوال پوچھتا ہے۔ "آپ یہ بھی کہئے کہ وہ کون (سی ہستی) ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار

ہے۔"(القران الحکیم، ترجمہ و تفسیر، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، کراچی، ۱۹۸۹ء، پارہ ۱۸، سورہ المومنون، آیت ۸۷، ۸۸ کے درمیان، ص ۶۸۲)

پھر جواب دیتا ہے: "تو اس کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے۔"(القرآن الحکیم، پارہ ۲۳، سورہ یٰسین، آیت ۸۲۔۸۳ کے درمیان، ص ۸۷۰)

یوں یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ حکومت کا مکمل اور دائمی اختیار فقط ذات پاک اللہ کو ہے۔ علاوہ ازیں کوئی قوت کائنات کی کسی چیز یا انسانوں پر حکومت کا دعویٰ نہیں کر سکتی اور یہ کہ اللہ کی حکومت میں کسی کو کوئی دخل نہیں۔ وہ خود بلا شرکت غیرے حاکم اعلیٰ ہے۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے اختیار کی بعض خصوصیات جیسے وحدت اقتدار، حیات ابدی اور قدرت کاملہ کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اسلامی فلاحی مملکت کی بنیاد اسی توحید پر قائم ہو گی۔ توحید کے ساتھ ہی رسالت و ختم نبوت ﷺ اور یوم آخرت پر کامل یقین بھی لازم و ملزوم ہیں۔

حضور پاک سرور عالم ﷺ کی داعیانہ زندگی کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ جو تعلیم آپ ﷺ نے دنیا کو دی اس پر سب سے پہلے ایمان لائے اور اپنی زندگی کو سب سے پہلے اس کے تابع کیا۔ فرمایا **اَنَا اَوّلُ المُسلِمِین** (میں سب سے پہلا مسلمان ہوں) (ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۱۰) **اَنَا اَوّلُ المئومِنِین**۔ (میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں) (ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۱۱) آپ ﷺ نے اپنی دعوت کے ہر پہلو پر خود عمل کر کے دکھایا۔ تاکہ آپ ﷺ کے پیروکار نہ صرف ارشادات ہی سے ہدایت پائیں بلکہ آپ ﷺ کے افعال و اعمال سے بھی بہرہ یاب ہوں۔ بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "آپ ﷺ کی زندگی سراپا قرآن تھی"۔

حضور پاک ﷺ کا برپا کردہ انقلاب جزوی نہیں بلکہ ہمہ گیر تھا۔ یہ انسانی تاریخ کا وہ واحد انقلاب ہے جس نے ایک نیا انسان پیدا کیا اور ایک نیا معاشرہ وجود میں لایا۔ جو انسانیت کی پوری زندگی کی اصلاح اور تعمیر کا باعث بنا۔ مگر یہ سب کچھ خلاء میں نہیں ہوا، انہیں سخت سے سخت اور کٹھن سے کٹھن آزمائشوں، مصیبتوں اور ابتلاؤں

سے گزرنا پڑا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے ہر حال اور ہر کیفیت میں یہی کہا:

"خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ کر کہیں کہ مہر و ماہ کے عوض میں تبلیغ دین کا کام ترک کر دوں تو مجھے منظور نہیں۔ اگر اس راہ میں مجھے ہلاکت نظر آئے تب بھی میں پیچھے نہ ہٹوں گا۔ حتیٰ کہ یہ مشن کامیاب ہو یا میں اس میں کام آ جاؤں۔"

یہ تھا آنحضور ﷺ کا عزم، عزم صمیم، عزم راسخ جو ان کی کامیابی و کامرانی کا باعث بنا۔

مدینہ منورہ میں جب اسلام قوت اور اقتدار کا مالک بنا تو نبی پاک ﷺ نے ریاست کے سب اختیارات سے دعوت اسلامی کی اشاعت کا کام لیا۔ ایک جانب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی اور دوسری طرف اس ریاست کے ذریعے تمام عرب اور پھر پوری دنیا کو اسلام کی دعوت دی گئی۔ گویا تبلیغ دو طرح کی تھی۔ ایک اہل کفر کو اسلام کی تبلیغ اور دوسرے مشرف بہ اسلام ہونے والوں میں ایمان کے ارتسام و استحکام کے لئے ممکن تبلیغ۔۔۔۔ آنحضور ﷺ کے تبلیغی اسلوب میں مندرجہ ذیل عناصر بطور خاص نمایاں ہیں:

۱:- مبلغ کو اپنے مشن سے ایسی لگن ہو کہ وہ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھے۔

۲:- استقامت اور ارادے میں کسی وقت بھی لرزش نہ آئے۔

۳:- بے غرضی و بے لوثی۔

۴:- پیغام کی پیشکش "اَلجَمَال فِی اللِّسَان" کا ایسا نمونہ ہو کہ سامع متاثر و مجذب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

۵:- انسانی خیر خواہی۔

۶:- مبلغ خود سراپا نمونہ عمل بنے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ لَقَد کَانَ لَکُم فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسوۃٌ حَسَنَۃ "تمہارے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔" (پارہ ۲۱، سورۃ الاحزاب، آیت ۲۱)

۷ :- مبلغ کا اخلاقی کردار اتنا بلند ہو کہ بڑے سے بڑے مخالف اور دشمن بھی کسی رخ یا پہلو سے اعتراض نہ کر سکیں۔

اسلامی فلاحی مملکت میں اللہ کے پیغام اور نبی پاک ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اوپر سے نیچے تک اور نیچے سے اوپر تک پھیلانا ہو گا۔

اسلامی فلاحی مملکت میں مسلمان شہری ہی درحقیقت اسلامی نظام زندگی کے مبلغ اور قیم ہوتے ہیں۔ وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بنیادی خطوط عمل کے سانچے میں ڈھالتے ہیں جو باری تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکام سے ترتیب پاتے ہیں۔ بنیادی حقوق سلب کرنے یا ان میں کمی بیشی کا اختیار اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کے بنیادی حقوق درجہ ذیل ہیں جو اسلامی فلاحی مملکت میں اپنائے جائیں گے۔

۱:- جینے کا حق۔

۲ :- معذوروں اور کمزوروں کا تحفظ۔ عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں فوج کو یہ ہدایت جاری کی جاتی تھی کہ وہ جنگ میں بھی ان لوگوں کی حفاظت کا اہتمام کریں۔

۳ :- تحفظ ناموس خواتین۔

۴ :- معاشی تحفظ۔

۵ :- عدل و انصاف۔

۶ :- نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون۔

۷ :- مساوات کا حق۔

۸ :- معصیت سے اجتناب کا حق۔ یعنی اسلامی حکومت میں کوئی عہدے دار معصیت (گناہ) کا حکم نہیں دے سکتا۔ اس لئے شہری قانونی طور پر معصیت سے اجتناب کا حق رکھتے ہیں۔

۹ :- ظالم کی اطاعت سے انکار کا حق۔

۱۰:- سیاسی تنظیم کا حق۔

۱۱:- آزادی کا تحفظ۔

۱۲:- نجی زندگی کا تحفظ۔

۱۳:-عزت کا تحفظ۔

۱۴:- تحفظ ملکیت۔

۱۵:- ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق۔

۱۶:- آزادیء تحریر و تقریر۔

۱۷:- آزادیء اجتماع۔

۱۸:- ضمیر و اعتقاد کی آزادی کا حق۔

۱۹:- اپنے اعمال کی ذمہ داری کا حق۔

۲۰:-مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق۔

۲۱:- بلا ثبوت کارروائی سے استثنٰی کا حق۔

۲۲:-عمال حکومت کے احتساب کا حق۔

اسلامی فلاحی ریاست کے شہریوں کے بنیادی حقوق کے سلسلہ میں بعض حقوق عمومی ہیں جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کو یکساں طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ پھر بھی اسلامی شریعت کے مطابق غیر مسلموں کو درج ذیل حقوق بطور خاص حاصل ہوتے ہیں۔

۱:- تحفظ جان اور قوانین۔

۲:- عزت کا تحفظ۔

۳:- ذمہ سے خارج ہونے کا حق۔

۴:- شخصی معاملات کا تحفظ۔

۵:- مذہبی مراسم کی آزادی۔

۶:- عبادت گاہیں بنانے کا حق۔

۷:- جزیہ و خراج میں رعایت کا حق۔

۸:- فوجی خدمات سے استثنیٰ۔

رحمت اللعالمین، شفیع المذنبین ﷺ نے ملکوں، قوموں اور قبیلوں میں منقسم انسانیت کو "وحدت انسانیت" کا درس دیا۔ رنگ و نسل، وطن و قوم، امیر و غریب، زمیندار و کسان، سرمایہ دار و مزدور اور دیگر انسانی گروہوں اور عصبیتوں میں تقسیم شدہ انسانیت کو اخوت اور بھائی چارے کا ایسا پیغام دیا جس پر عمل پیرا ہونے کے بعد دنیا محبت و الفت، امن و چین اور دلسوزی و ہمدردی کا گہوارا بن جاتی ہے۔ علاقائی، ملکی یا عالمگیری جنگیں ہوں یا طبقاتی جھگڑے تمام کے تمام ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ وحدت انسانی کا نظریہ، رحمت محمدیہ کا وہ تحفہ ہے جو نہ صرف اسلامی فلاحی مملکت کا اوڑھنا بچھونا ہونا چاہئے بلکہ اس سے پوری نسل انسانی ایک جسم کی مانند بن جاتی ہے اور حسد و منافقت اور تنافر و تخاصم کے عذاب سے چھوٹ جاتی ہے۔ سرور عالم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "مجھ سے قریب وہ لوگ ہیں، جو متقی ہوں، جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔" (گویا جنس، وطن اور مقام کی قید نہیں)۔

آنحضرت ﷺ نے حجتہ الوداع میں اعلان فرمایا: "لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔"

یگانگت اور اخوت عامہ کی دعوت دیتے ہوئے محسن انسانیت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو اور سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ زہر ہلاہل کھلا دینے والی یہودیہ کو بھی معاف فرما دیا۔

فتح مکہ پر محسن انسانیت سرور کائناتﷺ کا یہ فرمان: "تم پر آج کے دن کوئی گرفت نہیں ہے، خدا تمہیں معاف کرے وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔" تاریخ انسانی میں عفو و درگزر اور اخلاص کی معراج ہے۔

اسلامی فلاحی مملکت میں معیار شرف و مجد کیا ہونا چاہئے؟ اس کا جواب بھی سیرت پاکﷺ سے ملتا ہے۔ دنیا کے ملوک و قیاصرہ اپنا رعب جمانے اور دبدبے کی خاطر اپنے اردگرد ایسے اسباب اور ماحول پیدا کرتے ہیں جن سے انسان لرزہ براندام ہو جائے مگر ہمارے سرکارﷺ ان سب ظاہری لوازم اور اسباب سے بے نیاز تھے۔ سارے عرب کی حکومت آپﷺ کے قدموں میں تھی لیکن پھٹا پرانا بوریا آپ کا "اسباب راحت" تھا۔ عظیم حکمران اور بادشاہ آپﷺ کی ملت کے تابع تھے۔ مگر سرکارﷺ کی بے سروسامانی ہی آپ کی ہیبت اور عظمت و جلال کا ذریعہ تھی۔ ایک آدمی آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور آپ کے قدرتی رعب سے کانپ اٹھتا ہے۔ آپﷺ اس صورت حال سے خوش ہونا تو ایک طرف، الٹا اسے تسلی دیتے ہیں اور اس کے دل سے ہیبت اور رعب داب دور کرنے کے لئے جو کچھ فرماتے ہیں وہ انسانی عظمت کا ایک دل آویز اظہار ہے اور حریت و مساوات کے بڑے بڑے دعوے داروں کے لئے باعث عبرت و تقلید۔ آپﷺ فرماتے ہیں: "ڈرو نہیں، میں قریش کی ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔" آپ ﷺ نے ان چند لفظوں میں نجابت و عظمت کا وہ معیار بیان کر دیا جو تاریخ انسانی کا کوئی بڑے سے بڑا سربراہ بھی نہ کر سکا۔ انسانی عظمت کردار میں پنہاں ہے۔ اخلاق میں پوشیدہ ہے۔ علم پر منحصر ہے۔ خدمت میں مضمر ہے۔ یقیناً عہدہ اور دولت تفوق و برتری کا معیار نہیں ہے۔

مدنی زندگی میں حضور پاک سرور عالمﷺ نے مدینے کے یہودیوں کے ساتھ بین الاقوامی اصولوں کے بموجب صلح و امن کے ساتھ باہمی زندگی گزارنے کا ایک معاہدہ کیا۔ بعد ازاں جب یہودی اپنے معاہدے پر قائم نہ رہے اور وہ آپﷺ کے دشمنوں سے مل گئے تو آپﷺ نے صلح و جنگ کے اعلیٰ اصول قائم کئے اور ان

کے مطابق عمل کیا۔

اسلامی قوانین جنگ یوں بیان کئے جا سکتے ہیں جن پر عہد نبوی ﷺ میں عمل ہوا اور آج بھی اسلامی فلاحی مملکت کی اساس قرار پائیں گے۔

۱:- جب تک اعلان جنگ نہ کیا جائے دشمن پر چڑھائی نہ کی جائے۔

۲:- جنگ کو دو مقاصد (ایک دفاع دوسرا اصلاح جماعت انسانی) کے تابع رکھا جائے۔

۳:- شکست خوردہ دشمن کا پیچھا نہ کیا جائے۔

۴:- زخمیوں کے ساتھ (بشرطیکہ وہ قیدی ہوں) خاص برتاؤ (علاج معالجہ' مرہم پٹی وغیرہ) کیا جائے۔

۵:- زخمی قیدیوں پر بوجھ لادنے کی ممانعت ہے۔

۶:- عورت' بچے' بوڑھے کے ساتھ مذہبی قائدین کے بھی قتل کی حرمت ہے۔

۷:- سرسبز درختوں کو کاٹنے' عمارتوں کو گرانے اور افادۂ عام کے وسائل کو غارت کرنے کی بھی ممانعت ہے۔

۸:- قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اچھے سلوک کی انتہا یہ ہے کہ انہیں پیٹ بھر کر کھانا دینے کا حکم ہے۔ اس لئے مسلم غازیوں کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ خود کھجور کھاتے تھے اور دشمن قیدی کو روٹی دیتے تھے۔

۹:- کسی قسم کی بددیانتی اور دھوکہ دہی نہ کی جائے اور مال کو نہ چھپایا جائے۔

۱۰:- کسی کے اعضاء کو نہ کاٹا جائے۔

۱۱:- کھانے کی ضرورت کے علاوہ کسی بکری' گائے یا اونٹ کو ذبح نہ کیا جائے۔

۱۲:- کسی قسم کی عبادت گاہ کو نہ گرایا جائے۔

۱۳:- خانقاہوں میں بیٹھنے والوں سے تعرّض نہ کیا جائے۔

ذمیوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ اسلامی حکومت میں کتنے

آرام اور عافیت سے زندگی گزارتے تھے۔ ان کی عزت و آبرو کتنی محفوظ ہوتی تھی۔

جب اسلامی حکومت وسیع ہو گئی تو حضور پاک ﷺ نے اسے مختلف حصوں میں تقسیم کر کے حکام کا تقرر کیا۔ یہی صورت حال اسلامی فلاحی مملکت کی ہو گی۔ حکام کی تعیناتی کے سلسلے میں آپ ﷺ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ وہ اس علاقے کا سابق حاکم ہو یا وہاں کا باشندہ ہو۔ وہ اسلامی اصولوں کے بموجب مکمل دیانت دار ہو اور خوش اخلاق بھی ہو۔ مسلمان ہونے کے پہلو بہ پہلو وہ انتظامی امور کی صلاحیت کا مالک ہو۔ حاکم کا خالص عربی النسل کا ہونا آپ ﷺ کے نزدیک لازمی نہیں تھا۔ اس سلسلے میں آپ عرب یا عجم کا امتیاز بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے شاہان عجم میں سے بہرام گور کے خاندان کے ایک شخص باذان بن ساسان کو مسلمان ہونے کے بعد یمن جیسے اہم علاقے کا گورنر مقرر کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے یمن کے حکمران رہ چکے تھے۔ اس لئے انہیں وہاں کے انتظامی امور کا تجربہ حاصل تھا۔ اسی انتظامی صلاحیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے باذان کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے ان کے فرزند شہر بن باذان کو یمن کے علاقے صنعاء کا حاکم مقرر کیا۔

مسلم حکام ملک کا انتظام کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور خراج بھی وصول کرتے تھے۔ علاوہ ازیں ان حکام کا سب سے مقدم فریضہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور اسلامی حکام کی تعلیم و تدریس بھی تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کے ایک حصے کا قاضی بنا کر بھیجا تو جس طرح آنحضور ﷺ نے ملکی مصالح کے بارے میں ان کو بیش بہا ہدایات دیں، اسی طرح انہیں یہ حکم بھی دیا کہ وہ قرآن کریم اور اسلامی قوانین کی تعلیم دیں۔ اسلامی فلاحی مملکت میں اس شق کو ریڑھ کی ہڈی کی اہمیت و وقعت دینا ہو گی۔ حضرت معاذ بن جبل کے ذمے یہ فرض بھی عائد تھا کہ وہ یمن میں صدقات کے محصلین سے صدقات وصول کریں اور انہیں جمع کر کے مرکز کو روانہ کریں۔

آقائے نامدار ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یہ ہدایات بھی دیں:

"تم انہیں سمجھاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے امراء سے

وصول کر کے ان کے غرباء میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگر وہ اس کو تسلیم کر لیں تو (اس صدقے کے مال کو وصول کرنے میں) ان کا بہترین مال حاصل کرنے سے پرہیز کرو۔ (اس معاملے میں) مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو۔ کیونکہ اس کی (بددعا) اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔"

رسول پاک ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل کو ایک مہذب و متمدن علاقے میں قاضی بنا کر بھیجا تو انہیں وہاں کی مقامی ضروریات اور بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اجتہاد کرنے کے اختیارات بھی دیئے تھے۔ آنحضرت ﷺ اپنے حکام کو خوش اخلاقی اور نرمی کی ہدایت فرماتے تھے اور انہیں رعایا پر تشدد اور ظلم کرنے سے روکتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہشام بن حکیم حزام کی ایک روایت مذکور ہے۔ جس میں فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: "اللہ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں (لوگوں) کو عذاب دیتے ہیں۔"

آنحضرت ﷺ نے صدقہ، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج وصول کرنے کے لئے ہر قبیلے کے الگ الگ محصلین مقرر فرمائے جو مختلف قبائل میں گشت کر کے صدقات و خراج جمع کرتے تھے۔ وصولی کے بعد ساری رقم آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجی جاتی تھی۔ وصولی کے لئے شرائط اور ہدایات پر عمل ہوتا تھا۔ زکوٰۃ وغیرہ کے لئے احکام و قوانین موجود تھے۔ مویشیوں یا اجناس میں سے سرکاری زکوٰۃ چھانٹ کر وصول کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ اوسط درجے کا مال وصول کیا جاتا۔ یوں صرف عمدہ مال لے کر عوام کو نقصان یا تکلیف نہ پہنچائی جاتی تھی۔ ان محصلین اور عمال کے لئے کلیتہ" ممانعت تھی کہ وہ رعایا سے اپنے سرکاری فرائض انجام دینے کے زمانے میں کسی بھی صورت میں لوگوں سے تحفہ یا نذرانہ وصول کریں۔ اگر کوئی ایسا کر بیٹھتا تو سرور کائنات ﷺ بنفسِ نفیس محاسبہ فرماتے تھے۔

حضور پاک ﷺ نے اقربا پروری کے خاتمے کی خاطر اپنے خاندان اور خاندان بنو ہاشم پر صدقہ لینا حرام کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں انہیں صدقہ اور خیرات کے عامل اور محصل کی حیثیت سے بھی تعینات نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ صدقے کی تنخواہ اسی مد

سے ادا ہوتی تھی۔ حکام کی تعیناتی اور انتخاب میں آنحضرت ﷺ کا یہ اصول بھی مقرر تھا کہ جو لوگ سرکاری خدمت کے لئے خود درخواست پیش کرتے تھے، انہیں حکومت کے کسی عہدے پر آپ ﷺ تعینات نہ فرماتے تھے۔ سرکاری ملازمین کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص مقررہ تنخواہ سے زیادہ رقم لے گا وہ مالی خیانت کا مجرم ہو گا۔

ہادی اسلام ﷺ نے مزدوروں اور محنت کشوں کے لئے خصوصی ہدایات دی تھیں۔ جن کا لب لباب یہ ہے:

۱:- تم مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

۲:- اس شخص پر خدا کی لعنت ہو جو مزدور کا حق غصب کرے۔

۳:- کسی شخص کو ایسا سخت کام کرنے کا حکم نہ دو جسے تم خود نہ کر سکو۔ اگر کوئی ایسا کام ہو تو اس کام میں اس کا ہاتھ بٹاؤ اور اس سے نرمی سے سلوک کرو۔

۴:- تم مزدور کو اپنے جیسا انسان سمجھو۔ اس پر اس کی طاقت سے زیادہ کام کا بوجھ نہ ڈالو۔ اس کی عزت اور عافیت کا خیال رکھو۔

۵:- غریبوں کے حق کو پہچانو، کیونکہ یہ تمہارا ہی کام کرتے ہیں۔ خدا اس بندے کو ہرگز نہیں بخشے گا جس نے کسی مزدور کا حق مار لیا ہو۔

محنت کی فضیلت کے سلسلے میں رحمتِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

۱:- مومن کی نشانی یہ ہے کہ مرتے وقت بھی اس کی پیشانی محنت کے پسینے سے تر ہو۔

۲:- اس بندے پر خدا کی رحمت ہو جو اپنی محنت سے اپنی روزی کماتا ہے۔

جیسے آنحضرت ﷺ نے مزدوروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، ویسے ہی مزدوروں کو ان کے فرائض بھی یاد دلائے ہیں کہ وہ فرض شناسی، دیانت داری اور محنت سے کام کریں۔

دور رسالت میں نابینا افراد کی تعلیم و تربیت اور آبادکاری پر خصوصی توجہ دی

گئی۔ اس سلسلے میں جو اصول کارفرما رہے ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱:- معاشرہ نابینا افراد کے ساتھ مساویانہ بنیادوں پر سلوک کرے تاکہ ان میں احساس کمتری پیدا نہ ہو۔

۲:- انہیں دوسرے صحیح سالم افراد کے ہمراہ تعلیم و تربیت دی جائے تاکہ وہ اپنے ماحول سے دور نہ رہیں۔

۳:- انہیں بے کار نہ بٹھایا جائے بلکہ انہیں ضروری اور مناسب کاموں میں مصروف رکھا جائے بیکاری تو صحیح سالم افراد کے دل و دماغ کو اپاہج بنا دیتی ہے۔

۴:- اہل خاندان اپنے خاندان کے نابینا افراد کی آبادکاری میں تعاون کریں۔

۵:- یہ تعاون کوئی احسان نہیں بلکہ اسی طرح معاشرہ خود اپنے آپ کی مدد کرتا ہے۔

۶:- صاحب حیثیت افراد نابینا فرد سے میل جول رکھیں کہ اس سے احساس تنہائی جاتا رہتا ہے۔ دوسرے ایسے افراد اور ان کی ضروریات کے بارے میں معاشرہ آگاہی حاصل کرتا ہے اور ان کی آباد کاری کی رفتار اور نتائج کا علم ہوتا رہتا ہے۔

۷:- بغیر سہارے کے چلنے پھرنے سے نابینا فرد کی جسمانی نشوونما درست ہو گی جو ذہنی نشوونما کے لئے ضروری ہے۔

۸:- نابینا شخص تعلیم و تربیت سے آراستہ ہونے کے بعد معلم اور امام کی حیثیت سے روزگار حاصل کرنے کا حق دار ہے۔ نیز تعلیم و تربیت کے بعد نظم و نسق کی ذمہ داریاں بھی نابینا فرد کو سونپی جا سکتی ہیں۔

۹:- جو کام نابینا فرد تھوڑی بہت کوشش سے کر سکتا ہو اس میں اسے رعایت یا سہارے کی ضرورت نہیں تاکہ وہ آرام طلب نہ ہو جائے اور اس کی خود اعتمادی کو ٹھیس نہ پہنچے۔

پیغمبر اسلام ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی (اقراء سے آغاز) علم اور اسلام کے رابطے کو پوری طرح واضح کرتی ہے۔ اس کی بنیاد قرات اور تعلیم بالقلم (پڑھنے اور

لکھنے) پر ہے۔ احادیث نبوی ﷺ کا ایک بڑا ذخیرہ علم کی ترغیب اور فضائل پر مبنی ہے۔ جس سے لوگوں میں علم کا شوق اور جذبہ پیدا ہوا۔ جیسے "ایک عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہے۔" "طالب علم کے لئے فرشتے اس کے قدموں پر اپنے پر بچھاتے ہیں۔" "عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر۔"

عہدِ رسالت مآب ﷺ میں علمی اجارہ داری کا خاتمہ کیا گیا۔ ناخواندگی دور کی گئی۔ تعلیم بالغاں، بچوں کی تعلیم، غلاموں کی تعلیم، تعلیم نسواں (چھوٹی بچیوں کے لئے گھریلو مدرسے قائم کئے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھرانہی مدارس میں سے ایک تھا۔ بڑی عمر کی عورتوں بلکہ خادماؤں اور کنیزوں تک تعلیم و تربیت گھر کے مردوں کے ذمہ تھی۔ بعض اوقات خود حضور ﷺ عورتوں کی تعلیم کے لئے خاص دن مقرر فرمایا کرتے تھے) مفت تعلیم، (اصحاب صفہ کی تعلیم و تربیت کا پورا نظام ملاحظہ فرمائیے) لازمی تعلیم (حضور پرنور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "علم سکھاؤ اس لئے کہ علم کا سکھانا نیکی ہے اور اس کا طلب کرنا عبادت ہے۔ مذاکرۂ علم تسبیح ہے اور اس پر بحث کرنا جہاد ہے۔ اس کا خرچ کرنا تقرب الٰہی کا ذریعہ اور نہ جاننے والوں کو بتانا صدقہ جاریہ ہے۔") اور بامقصد (آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے جو علم فائدہ نہ دے اس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں) علم کے حصول پر زور دیا گیا۔

یہی سب مقاصد اسلامی فلاحی مملکت میں تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں بنیاد فراہم کریں گے۔

دن رات میں پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی اور ہر بالغ مرد و عورت پر یہ فریضہ ضروری سمجھا گیا۔ نماز کے اوقات متعین ہوئے اور سب کے لئے ایک ہی وقت مقرر ہوا۔ فرض نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جانا زیادہ ثواب کا باعث ٹھہرا۔ ایک شخص کو امام اور بقیہ کو مقتدی قرار دیا۔ یوں یہ نماز روزانہ اجتماعی زندگی کی خاطر راہ عمل متصور ہوئی۔ اس میں اخوت و مساوات کا دور دورہ ہوا۔ ہر روز ہر محلہ اور گاؤں کی مسجد میں یہ اکٹھ ہوتا ہے۔ ہفتہ میں تمام محلے دار ایک جامع مسجد میں یکجا ہوتے ہیں۔

سال میں دو بار عید گاہ میں جمع ہوتے ہیں اور سال کے آخری مہینہ میں مسجد حرام مکہ معظمہ کے ذریعہ تمام مسلمانان عالم اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان اجتماعات میں امیر و غریب' شاہ و گدا اور شریف و وضیع ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔

اس لاریب نظام کو اسلامی فلاحی مملکت میں سچے جذبوں کا آئینہ دار بنانا ہو گا تاکہ ہر مسلمان اس کی ظاہری و معنوی خوبیوں سے بہرہ ور ہو سکے۔ حضور پاک ﷺ اپنے معمولی سے معمولی ماتحتوں کے ساتھ برابر سے کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر پر تشریف لے گئے اور سفر کے دوران ساتھیوں کو بکری بھوننے کا حکم دیا۔ ایک صاحب نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ میں اس کو ذبح کروں گا۔" دوسرے نے کہا کہ "میں اس کا گوشت تیار کروں گا۔" تیسرے صاحب نے اس کو پکانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ امت کے سربراہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اور جنگل سے لکڑیاں میں لاؤں گا۔" اصحاب رسول ﷺ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ہم جو حاضر ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "ٹھیک ہے مگر مجھے یہ پسند نہیں کہ میں امتیاز کے ساتھ الگ بیٹھا رہوں۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ کوئی شخص اپنے رفیقوں میں ممتاز بننے کی کوشش کرے۔"

ایک اور مقام پر سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: "تمہارے بہترین امام اور قائد وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہوں۔ تم ان کو دعائیں دیتے ہو اور وہ تم کو دعائیں دیتے ہوں۔ اور تم میں بدترین رہنما وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تم کو ناپسند کرتے ہوں اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو۔"

سردار ملت ﷺ دل سوزی' ہمدردی اور خلوص میں لاجواب تھے۔ لوگوں کے دکھ درد کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے عذاب سے بچنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ لوگوں کی ضرورت کے وقت ان کے کام آنا قرار دیا ہے۔ مشورہ ایک سربراہ ملت کے لئے مفید ہی نہیں لابدی ہے۔ آنحضرت ﷺ نہ صرف مشورہ لیتے بلکہ اجتماعی معاملات مشورے کے بغیر کبھی طے نہ فرماتے۔

رحمت عالم ﷺ نے اخلاق و اعمال کی جو بیش قیمت تعلیم دی وہ تو صرف آپ ﷺ ہی کا حصہ ہے۔ فرمایا: "میں تو اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔" ایک مقام پر حسن خلق کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: "تم میں بہتر وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے عورت کا مرتبہ بہت بلند کر دیا اور قانونی طور پر عورت کو مردوں کے برابر حقوق عطا کئے۔ عدل کی تاکید کی۔ خصوصی مراعات کی ہدایت فرمائی اور ان کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری مرد کے سر عائد کی۔ ایک جگہ فرمایا: "عورتیں ریاست کا ستون ہیں، اگر وہ اچھی ہیں تو ریاست بھی اچھی ہے، اگر وہ خراب ہیں تو ریاست بھی خراب ہو گی۔"

حضور پاک ﷺ نے ان کی عفت و عصمت کو بیش بہا قرار دیا۔ نکاح پر عمل کرنے کی تاکید کی۔ زن و شوہر کے تعلقات کے لئے قوانین ترتیب دیئے۔

ہادیٔ برحق نے دین کے معاملہ میں نسب و نسل کے بت توڑ ڈالے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شادی جو نسب کے اعتبار سے غلام تھے، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کی۔

رحمت عالم ﷺ نے زندگی بھر مساوات کا نظام ہو یا عدل و انصاف کا یا پھر امن و امان کا نظام، کمی بیشی نہیں کی اور دوست و دشمن دونوں کے ساتھ برابر کا سلوک کیا، اعلان کردہ قوانین پر عمل پیرا ہوئے اور آج بھی وہ قوانین اور حدود اسلامی فلاحی مملکت کی بنیادوں کو استوار کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنی (روزانہ کی) پانچ نمازیں پڑھو اور اپنے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو اور اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو اور جب میں تمہیں حکم دوں تو فرمانبرداری کرو۔ (یوں) تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا کہ: "جو شخص خزانے کا مالک ہو اور اس کی زکوۃ ادا نہ کرتا ہو تو (روز قیامت) اس خزانہ کو دوزخ کی آگ میں دہکایا جائے گا۔ پھر اس کے ٹکڑے بنا کر ان سے اس شخص کے پہلوؤں اور پیشانی کو داغا جائے گا۔" آنحضور

ﷺ نے زکوٰۃ کا مصرف بتاتے ہوئے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے کہ ان کے مالداروں سے لی جائے اور ان کے حاجت مندوں کو دی جائے۔"

حضور اکرم ﷺ نے امانت دار تاجر کی فضیلت اس طرح فرمائی کہ امانت دار اور راست باز تاجر کو انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کی معیت کا شرف حاصل ہو گا۔ اور تاجر اگر نیکو کار نہ ہوں تو وہ بروز حشر عموماً" فاجروں کی صف میں اٹھیں گے بجز ان تاجروں کے جو اللہ تعالیٰ پر تقویٰ رکھتے ہوں۔

آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل طریقوں سے خرید و فروخت سے منع فرمایا:

۱:- تجارت میں مبالغہ آمیزی اور جھوٹی قسمیں کھانا۔

۲:- ناپ تول میں بے احتیاطی۔

۳:- پھل تیار ہونے سے پہلے بیع کرنا۔

۴:- حرام اشیاء کی تجارت۔

۵:- خرید و فروخت کے وقت مال کا نقص بیان نہ کرنا۔

۶:- اچھے بُرے مال کا اختلاط۔ (ملاوٹ)

۷:- پانی کی بیع سے منع فرمایا۔

۸:- گوشت کے بدلے جانور کی بیع۔

۹:- "زھو" (سرخ ہو کر زرد ہو جائے) سے پہلے پھلوں کی خرید و فروخت کرنا۔

۱۰:- دودھ ہار جانور کا تجارت کی غرض سے دودھ روکنا۔

۱۱:- تجارت کے معمول کو تبدیل کرنا۔

آنحضرت ﷺ نے تجارت کے میدان میں وعدہ کی پاسداری، سچائی، امانتداری اور عدل و انصاف کی ذاتی مثال قائم کر کے ملت کو بھی اسلامی فلاحی مملکت میں اس راہ پر گامزن ہونے کی تلقین فرمائی۔

ایک صحت مند، ترقی یافتہ اور معتدل معاشرے کی تعمیر کے لئے مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کی گئیں۔

۱:- رزق حلال کا حصول جو اسلام کے معاشی نظام کے فلسفے کی روح ہے۔

۲:- سود کی حرمت (مذہب کی رو سے حرام ہونا) کا دو ٹوک اعلان۔

۳:- احتکار یا ذخیرہ اندوزی کی ممانعت۔

۴:- باطل اور ناجائز ذرائع آمدنی (جیسے رشوت، فریب اور کذب کی کمائی، مہارت، تجربہ یا پیشہ سے ناجائز فائدہ اٹھانا مثلاً بڑے بڑے اور مشہور ڈاکٹر، انجینئر، وکلاء وغیرہ کا مجبور اور ضرورت مند لوگوں سے بھاری فیس وصول کرنا) کا سدباب۔

۵:- کام چوری سے اجتناب۔ آج کل ہم اسے بالکل گناہ نہیں سمجھتے۔ حالانکہ روزی اس وقت حلال ہو گی جب ہم وقت کی پابندی، نظم و ضبط اور پوری تندہی اور خلوص سے اپنی ملازمت کی ذمہ داریاں ادا کریں۔

۶:- گداگری کی ممانعت۔

۷:- اصول وراثت کی تلقین۔

۸:- ذاتی ملکیت کی حوصلہ افزائی۔

۹:- زکوٰۃ اور برکات کی تنظیم۔

۱۰:- عمل اور جدوجہد کا انتظام و انصرام۔

۱۱:- اقتصادیات اور معاشیات کی اس ڈگر پر تنظیم و تشکیل کہ جس سے اسلامی فلاحی مملکت کے نقوش معاشرے اور سوسائٹی پر واضح اور صاف دکھائی دیں۔

سرور کائنات ﷺ نے انسانی سوسائٹی کے ہر رکن کی خاطر چار بنیادی حقوق رکھے ہیں:

۱:- گھر رہنے کے لئے (بیتٌ یسکنہٗ)

۲:- کپڑا، تن ڈھکنے کے لئے (ثَوبٌ یُوَارِیْ عَوْرَتَہٗ)

۳:- روٹی، پیٹ کے لئے (جِلفُ الخُبزِ)

۴:- پانی، (اَلْمَاءُ)

علاوہ ازیں روزگار، صحت اور تعلیم کے دروازے ہر شخص پر کھلے ہوں۔ قرآن حکیم میں ہے: "اور انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے"۔ (پارہ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۳۸) یہ کوشش انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور محنت مشترکہ یا تعاون باہمی بھی۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے کوئی پیشہ بھی برا نہیں۔ اسی لئے ہمارے ہاں اکابر اہل علم میں ایسے حضرات ہیں جو اپنے حرفے کی طرف منسوب ہوئے جیسے امام ابو حنیفہ بزاز کہلائے۔ احمد بن عمر خصاف (جوتا گانٹھنے والا) کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ارشاد نبی کریم ﷺ ہے کہ "اسلامی حکومت سرپرست ہے ہر اس شخص کی جس کا کوئی سرپرست نہ ہو"۔

مختصراً" اسلامی فلاحی مملکت اسوۂ نبوی ﷺ کی روشنی میں وہ ہوگی جس میں اللہ الواحد القہار کی حاکمیت کے سوا کسی اور کی حاکمیت کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا اور اسے سربراہ مملکت سے لے کر عام سے عام شہری تک اور چرواہے سے لے کر مسند نشین تک سب بالاعتقاد، بلا چون و چرا اور برضا و رغبت تسلیم کریں گے، جس میں قانون کے ہاتھ اتنے لمبے ہوں گے کہ ہر قسم کے بدکار، خطاکار، دہشت پسند اور تخریب کار، اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے۔ اور اس کی آنکھ اتنی تیز ہو گی کہ پر تولتے ہوئے مجرم اپنی سوچ اور زندگی کو راہ راست پر لانے کے لئے مجبور ہونگے، جس میں انصاف اتنا آزاد، ارزاں، زود پسند اور سخت گیر ہوگا کہ کسی کی معمولی سی حق تلفی بھی بڑے سے بڑے جغادری کو ملیا میٹ کر دے گی۔ جس میں اخوت کا بلڈوزر انسانوں کے درمیان پائے جانے والے ہمہ نوعی تفرقات کو ہموار کر دے گا۔ جس میں اخوت انسانوں کے حق اختلاف کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک جوئے کوہسار کی طرح مربوط و مضبوط رکھے گی۔ جس میں حریت، آزادی اظہار اور آزادی تحقیق و تخلیق کی ضامن ہو گی۔ جس میں عوام اتنے باشعور ہونگے کہ وہ حکومت کی کسی خامی یا معاشرے کی کسی برائی کو بھی

اپنے دندان احتساب سے بچنے نہ دیں گے۔ جس میں تعلیم ہوا کی طرح عام ہو گی۔ اہل اقتدار اور اہل انتظار کے درمیان رسہ کشی کی بجائے صرف فلاح و اصلاح اور خیر و برکت کے کاموں میں مقابلہ ہو گا اور جس میں سب لوگوں کی زندگی ایسی ہو گی کہ پورے عالم انسانیت کے لئے مثال بن جائے گی اور اس میں تعمیر مستقبل کی ایسی دھن اور لگن ہو گی کہ ملائکہ مَلِکِ النَّاس کی اس شاہکار تخلیق پر "فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ" کا ورد کرتے رہیں گے! آمین، ثم آمین!!

دَاعیان الیَ الخیَر کی شخصیت، کردار اور اوصاف

"اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔" (آل عمران:۱۰۴)

قرآن حکیم ایک کتاب زندہ ہے، ایک کتاب مبین ہے۔ اسرار کشا، محیط الوقت اور جہان آفرین! یہ غیر فانی بھی ہے اور لا متناہی بھی! یہ نئے نئے معانی، نئے نئے تصورات اور نئے نئے راستوں کو مستقل جنم دیتی ہے۔ یہ ام الکتاب ہے! ہر قاری، ہر عالم، ہر فقیہہ اور ہر سائنس دان اپنی اپنی رسائی، اپنی اپنی جستجو اور اپنے اپنے نصب العین کے مطابق اس سے مستفید و مستفیض ہوتا ہے۔ بزبان غالب۔

دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد
کام یاروں کا بقدرِ لب و دَنداں نکلا

قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اسے تلاوت، تجوید و قرأت، تفسیر، فقہ، کلام، حصولِ علوم، تعمیر سیرت، تدبیر سیاست اور تسخیر شش جہات و کائنات کا سرچشمہ سمجھا اور اس کے مطابق اس سے فائدہ اٹھایا۔ دور حاضر نے اپنی گوناگوں ایجادات و انکشافات کے لئے اسی سے خوشہ چینی کی اور تسخیر خلاء کا سلسلہ شروع کیا:

"اور ہمیں شفق کی قسم اور رات کی اور جو اس میں سمٹتا ہے اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے تم طبق پہ طبق ترقی کرتے رہو گے۔" (الانشقاق: ۱۶ تا ۱۹)

صرف یہی نہیں بلکہ جو صاحب ذوق اسے پڑھے گا، بار بار پڑھے گا؟ اس پر غور کرے گا اور اس کی آیات کو اپنے گرد و پیش اور کائناتی ماحول میں پالے گا وہ عرب ہو یا غیر عرب، عربی جانتا ہو یا محض اپنی زبان میں اس کا ترجمہ پڑھتا ہو وہ اپنے اندر ایک

ہمہ گیر اور ہم جہتی تبدیلی محسوس کرے گا اور ایک اچھوتے قسم کے ذہنی و اخلاقی انقلاب سے دو چار ہو گا۔ اسے اپنی داخلی و خارجی کائنات' ایک ہی اصل الاصول' ایک ہی حقیقت الحقائق اور ایک ہی خیر الخیرات سے مربوط نظر آنے لگے گی۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

"اور ہم تمہیں جانچتے ہیں شر اور خیر سے آزمانے کے لئے" (الانبیا:۳۵)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اور (قسم ہے) نفس کی اور جیسا اس کو ٹھیک کیا۔ پھر اس کے اندر فجور و تقویٰ الہام کیا"۔ (الشمس ۷ تا ۸)

گویا خیر و شر انسانی فطرت کے اندر مضمر ہیں اسی مضمون کی افصح العربﷺ نے اپنے مخصوص انداز میں یوں فرمایا۔

"ہر فرزند آدم علیہ السلام کے اندر دو آوازیں ہیں ایک آواز فرشتے کی اور ایک شیطان کی"

لیکن آنحضورﷺ صرف حامل و مفسر قرآن ہی نہیں تھے بلکہ وہ عامل قرآن بھی تھے۔ اسی لئے ایک اور موقعہ پر فرمایا۔

"ہر شخص کے ساتھ اس کا ایک شیطان لگا ہوا ہے" صحابی نے پوچھا کیا حضورﷺ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا "ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن میں نے اسے مسلمان بنا کر اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے"

گویا مسئلہ بالکل واضح کر دیا کہ انسان کا شر اس کا مطیع بھی ہو سکتا ہے۔ خیر تو خیر ہے ہی۔ لیکن شر مطیع ہو جائے اور خیر کی خدمت پر مامور ہو جائے تو خیر کی فعالیت و موثریت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ یہ کرۂ ارض تو کیا' بحرو بر تو کیا' قمرو مریخ تو کیا' صاحب الخیر انسان عرش بریں تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ رام شدہ شر' خیر کا ایکسلریٹر بن جاتا ہے!

لیکن خیر ہے کیا؟

قران حکیم میں یہ لفظ بیسیوں دفعہ استعمال ہوا ہے اس کے عام معنی بہتر کے ہیں لیکن اس کے کئی رخ ہیں مثلاً

۱:- "دیتا ہے حکمت جسے چاہے اور جسے حکمت ملی ہے اسے خیر کثیر ملی۔" (البقرہ: ۲۶۹)

۲:- "ممکن ہے تمہیں ایک چیز بری لگے لیکن اللہ نے اس میں تمہارے لئے خیر کثیر رکھی ہو۔" (النسا: ۱۹)

۳:- "اور صلح خیر ہے" (النساء: ۱۲۸)

۴:- "اور جب تولو، تو پورا تولو اور سیدھی ترازو سے۔ یہ خیر ہے۔" (بنی اسرائیل: ۳۵)

۵:- "اور تیرے رب کے ہاں باقیات الصالحات کا بدلہ خیر ہے۔" (الکھف: ۴۶)

۶:- "اور تیرے رب کا رزق خیر اور ابقیٰ ہے۔" (طٰہٰ: ۱۳۱)

۷:- "جو کوئی لایا نیکی تو اس کا بدلہ ہے اس سے بہتر (خیر)" (النمل: ۸۹)

۸:- "جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ خیر اور ابقیٰ ہے" (القصص: ۶۰)

۹:- "ذوی القربیٰ (ایک خاندان کے ہم جدی لوگ)، مساکین اور ابناء السبیل کا حق دینا "خیر ہے ان کو جو چاہتے ہیں اللہ کا منہ" (جو لوگ رضائے خدا کے طالب ہیں) (الروم: ۳۸)

۱۰:- "پھر کوئی ان میں ظالم النفس ہے، کوئی مقتصد (میانہ روی اختیار کرنے والا) اور کوئی سابق الخیرات" (فاطر: ۳۲)

۱۱:- "اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں" (الزخرف: ۳۲)

۱۲:- "ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے۔ یہ خیر ہے تمہارے حق میں" (الصف: ۱۸)

۱۳:- "نماز جمعہ کی اذان سنو "تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو بیچنا۔ یہ خیر ہے تمہارے حق میں" (الجمعۃ: ۹)

۱۴ :- "سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور سنو اور مانو اور خرچ کرو اپنے نفس کی خیر کے لئے۔" (الطلاق:۱۶)

۱۵ :- "اور آخرت خیر اور ابقیٰ (پائندہ تر) ہے" (الاعلیٰ:۱۷)

۱۶ :- "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ خیر البریہ (بہترین خلق) ہیں" (البینتہ:۷)

۱۷ :- "اللہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو خیر الرازقین، خیرالوارثین، خیرالماکرین، خیرالراحمین، خیرالفاصلین فرمایا۔

قرآن مجید نے مذکورہ تصورات و خیالات کو اپنے مخصوص اسلوب کے مطابق وقفے وقفے سے دہرایا ہے تاکہ یہ قارئین کے ذہن نشین ہو سکیں اور ان میں زور پیدا ہو سکے۔

۱۸ :- "لیکن خیر کا مرکزی نقطہ اور کلیدی خیال اس بلیغ آیت میں بیان ہوا۔ " وَاللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی" (اور خدا بہتر اور باقی رہنے والا ہے) (طٰہٰ: ۷۳)

مندرجہ بالا معدودے چند اقتباسات سے جو تصورات خیر ابھرتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔

۱:- حکمت خیر کثیر ہے۔

۲:- انسان کے لئے خیر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اس کے لئے معین کرتا ہے۔

۳:- صلح خیر ہے۔

۴:- پورا تولنا اور سیدھی ترازو سے تولنا خیر ہے۔

۵:- باقیات الصالحات خیر ہیں

۶:- رزق حلال خیر ہے۔

۷:- ذوی القربیٰ، مساکین اور ابناء السبیل کو ان کا حق دینا خیر ہے۔

۸:- رحمت الٰہی خیر ہے۔

۹:- اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان اور اپنے مال و جان سے جہاد فی سبیل اللہ خیر ہے۔

۱۰:- اذان سن کر نماز کے لئے دوڑنا اور کاروبار بند کرنا خیر ہے۔

۱۱:- اللہ سے ڈرنا' اسے سننا اور ماننا اور اس کے لئے خرچ کرنا خیر ہے۔

۱۲:- آخرت خیر ہے۔

۱۳:-ایمان اور عمل صالح خیر ہیں۔

۱۴:-اللہ تعالیٰ خود سراسر خیر ہے' ہمہ خیر ہے' خیر الخیرات ہے۔

آنحضور ﷺ نے انہی قرآنی افکار و اقدار کو اپنی ذات بابرکات میں عملی جامہ پہنایا اسی لئے ان کے طرز عمل کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

"آپ ﷺ مجسم قرآن تھے"

عالمی فلسفہ والہیات و ادب عالیہ کے ماہرین نے اخلاق فاضلہ اور اقدار عالیہ کی عظمت کو عموماً" ایسے بیان کیا ہے کہ وہ اونچی سے اونچی ہوں۔ اتنی اونچی کہ ناقابل حصول ہو جائیں اور صاحب اقدار کی عظمت کو ایسے بیان کیا ہے کہ وہ اونچے سے اونچا ہو۔ اتنا اونچا کہ ناقابل تقلید' ناقابل رسائی اور ناقابل حصول ہو جائے! انہوں نے حقیقت و آدرش اور حقیقی و مثالی کو ایسے پیش کیا ہے جیسے وہ ایک دوسرے کی ضد ہوں۔

اسلام کے ہاں ایسا بُعد القطبین نہیں ہے۔ آنحضور ﷺ حقیقی بھی ہیں اور مثالی بھی۔ حقیقی اس لئے کہ آپ ﷺ انسانوں میں انسانوں جیسے ہی ہیں۔ ان میں کوئی دیوتائیت نہیں ہے۔ ان میں کوئی مجازی الوہیت نہیں ہے (**اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُم**) اور اس لئے بھی کہ آپ ﷺ واقعی عرش بریں پر تشریف لے گئے اور مثالی اس لئے کہ انسان کو اپنے اس صعود بالا میں نہ جانے کتنی صدیاں اور لگیں گی۔ ورنہ یہ صعود ہی قیامت کبریٰ بن جائے گا۔

آنحضور ﷺ اپنی نشست و برخاست، حرکات و سکنات، گفتار و کردار، اقوال و اعمال، لیل و نہار، کاروبار، معاملات غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں خیر کے علمبردار اور رقیم تھے۔ وہ تاریخ عالم میں خیر کے سب سے بڑے داعی تھے۔ لہٰذا داعی الی الخیر کی شخصیت آنحضور ﷺ کی شخصیت عالیہ کا ہی پرتو ہونا چاہئے۔

شخصیت، قد و قامت، تن و توش اور رنگ ڈھنگ کا نام نہیں ہے اگر کوئی انسان خوش شکل، وجیہہ اور دلکش ہو تو اس کی شخصیت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اسی لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا۔

"اَلصُّوْرَتُ نِصفُ الرِّزْقُ"

لیکن ان جسمانی خصائص کو ہم شخصیت کے بنیادی لوازمات قرار نہیں دے سکتے۔ ہاں البتہ یہ اضافی محاسن کے زمرے میں ضرور آتے ہیں۔ اسی لئے آنحضور ﷺ دعا فرماتے تھے۔ "اے اللہ تو نے میری شکل اچھی بنائی ہے تو میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا۔" گویا حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت کو لازم قرار دیا ہے۔

شخصیت اصل میں ایک شخص کا مجموعی تاثر ہے جو قائم ہوتا ہے۔

اولاً :- اس کی جبلتوں، حسیات، خیالات اور جذبات کی ایک متوازن نشوونما اور شعوری تنظیم سے۔

ثانیاً :- اس داخلی ارتقاء اور خارجی ماحول کے درمیان ہم آہنگی سے بشرطیکہ یہ ہم آہنگی داخلی ارتقاء کو مجروح نہ کرے اور نہ ہی اسے بے لگام ہونے دے

ثالثاً :- اس داخلی و خارجی ارتفاق سے رگ و پے میں رچنے بسنے والی اقدار اور شخص متعلقہ کے دست و بازو، گفتار و رفتار، اطوار و اعمال اور میل جول میں ان کے عملی اظہار سے!

اس نقطہء نظر سے آنحضور ﷺ کی ذات بابرکات سے داعی الی الخیر کی شخصیت کے مندرجہ ذیل لوازمات یا عناصر اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

ا :- اس کی شخصیت میں وحدت اور ہم آہنگی ہو یعنی اس کی جبلتیں، حسیات خیالات اور جذبات خلط ملط ہونے کی بجائے منظم و منضبط ہوں اور یکسو ہوں

تخیل اور عمل میں تفاوت نہ ہو بلکہ ول ڈیوران کے مطابق تخیل، عمل کا پہلا مرحلہ سمجھا جائے اور عمل تخیل کا آخری مرحلہ، جذباتی اور معاشرتی اقدار میں کوئی تضاد نہ ہو۔ یعنی شخصیت دو نیم نہ ہو۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

"اللہ نے کسی مرد کے اندر دو دل نہیں رکھے" (الاحزاب:۴)

گویا دو دلی نہ ہو بلکہ یک دلی ہو۔

۲:- اس کی شخصیت ماحول سے ہم آہنگ ہو یعنی وہ ماحول سے بے نیاز اور لاتعلق نہ ہو۔ بلکہ رہن سہن اور رویئے کے لحاظ سے اپنے معاشرے کا ہی ایک فرد ہو لیکن بالا متیاز یعنی ایک ایسا فرد جو ماحول میں رائج اقدار کو اپنے معیار پر پرکھ سکتا ہو اور ان میں سے حسب ضرورت مثبت اقدار کا انتخاب کر سکتا ہو۔

حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ "عقلمند کس کو کہتے ہیں؟" امام صاحب نے کہا "جو خیر و شر میں تمیز کرے۔" اس پر حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "یہ تمیز تو بہائم میں بھی ہے کہ مارنے والے اور چارہ دینے والے میں تمیز رکھتے ہیں۔" امام صاحب نے عرض کیا۔ "آپ کے نزدیک عقلمند کون ہے؟" حضرت امام صادق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "عقلمند وہ ہے جو دو خیر اور دو شر میں امتیاز کرے اور خیر میں خیر الخیرین کو اختیار کرے اور شر میں خیر الشرین کو۔"

۳:- وہ متحرک ہو یعنی اس میں جمود و خمود نہ ہو بلکہ قوت عمل ہو مقصدیت ہو۔ آگے بڑھنے اور گرد و پیش کو بدلنے کی دھن ہو "تو با زمانہ ساز کی بجائے تو با زمانہ ستیز" کا انداز فکر ہو نئے ارادے ہوں، نئی امنگیں ہوں غرض کہ وہ رواں دواں ہو۔

۴:- اس کی نشوونما میں توازن و تناسب ہو یعنی ایک صحت مند جسم کے ساتھ ساتھ اس کے پاس ایک صحیح العقل ذہن ہو۔ جو حواس کی آوردہ خام معلومات کو فاسد مادوں سے پاک کر سکے۔ تاکہ "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَاکَدَرْ" پر عمل ہو سکے۔ ایسے ہی جذبات کی کماحقہ، تربیت ہو اور ان کی جائز تسکین کا سامان ہو

سکے۔

۵ :- کردار و سیرت کی بہترین صفات کی حامل ہو۔

لیکن شخصیت اتنی لطیف، پہلودار، ڈھنگھی اور غیر مرئی چیز ہے کہ اسے پوری طرح الفاظ کے شیشے میں اتارنا قریباً" ناممکن ہے۔ لیکن شخصیت خود ہی اپنے آپ کو ایک راستے سے ظاہر کرتی ہے۔ جسے عرف عام میں کردار کہا جاتا ہے کردار شخصیت کا خارجی، ظاہری، مادی، جسمانی، لسانی اور عملی روپ ہوتا ہے۔ جسے ہر شخص ہر وقت ہر حال میں دیکھ سکتا ہے۔ لیکن کردار بھی اپنی جگہ ایک طرز عمل کا نام نہیں بلکہ زندگی کے بدلتے ہوئے حالات اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کے مطابق اسالیب عمل کا نام ہے۔ لہٰذا کردار کے مطالعہ میں ہمیں انہی اسالیب عمل یعنی معاشرتی اخلاق کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔

آیئے آنحضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں داعی الی الخیر کے کرداری خصائص کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

۱ :- اسے اللہ تعالیٰ پر مکمل اور اٹل ایمان ہوتا ہے اور صحیح سمت میں سعی کے باوجود وہ تسلیم و رضا کا قائل ہوتا ہے۔

۲ :- اسے اپنی دعوت خیر پر یقین محکم ہوتا ہے اور اس سلسلے میں وہ کسی سمجھوتے کو برداشت نہیں کرتا۔ لیکن نئے امکانات کی ہمیشہ ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔

۳ :- وہ عزم صمیم کا مالک ہوتا ہے۔ یعنی خیر موجود کو تقویت دیتا اور اسے غالب کرتا ہے اور خیر غیر موجود کو زندہ، نمایاں، نشر اور نافذ کرتا ہے۔

۴ :- وہ صبر و ثبات سے کام لیتا ہے۔

۵ :- وہ اپنی تعلیم و تبلیغ میں حکمت اور سلیقہ سے کام لیتا ہے۔ اس کی تعلیم اکثر و بیشتر اس کے ایثار اور حقوق العباد کی ادائیگی کے ذریعے ہوتی ہے۔

۶۔ وہ حقوق النفس، حقوق العباد اور حقوق اللہ تینوں کو ادا کرتا ہے۔ لیکن وہ ترجیحاتی طور پر ان کو یوں ترتیب دیتا ہے حقوق العباد، حقوق اللہ اور حقوق النفس

وہ اپنی ذات کو اجتماع پر قربان کر دیتا ہے۔ اس کی خوشی دوسروں کی خوشی اور اس کی غمی دوسروں کی غمی ہوتی ہے۔ وہ اپنے کو کبھی دوسروں پر نہیں تھوپتا بلکہ اپنی باری کا انتظار کرتا ہے اور جب اس کی باری آتی ہے تو وہ اپنا رول پوری جاں فشانی، حاضر دماغی اور حضور قلب کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

۷ :- وہ قلت الطعام، قلت المنام اور قلت الکلام تینوں کا مظہر ہوتا ہے۔

۸ :- اس کے اندر اتنی لچک ہوتی ہے کہ وہ دہقان کے ساتھ دہقان، شہری کے ساتھ شہری، عالم کے ساتھ عالم، مدبر کے ساتھ مدبر، فلسفی کے ساتھ فلسفی، اور عسکری کے ساتھ عسکری بن سکتا ہے لیکن اسکے باوجود وہ اپنے ہر ملاقاتی کا دامن بھر دیتا ہے اور ہر ملاقاتی اس سے ملنے کے بعد کوئی نہ کوئی روشنی اور رہنمائی ضرور حاصل کرتا ہے۔

۹ :- وہ ہم جہت و ہم منزل رفقاو تحریکات کی حمایت کرتا ہے۔

۱۰ :- وہ اپنی دعوت کے سلسلے میں مستقل تحقیق و تدقیق کرتا ہے۔ خیر کوئی آنی جانی چیز نہیں ہے۔ وہ تو ایک مستقل، دائمی اور غیر فانی قدر ہے۔ وہ تو بحر وقت میں ابھری ہوئی ایک چٹان ہے۔ جو ازل تا ابد اپنی جگہ پر قائم ہے ..... نظر گیر اور بحر نوردوں کے لئے ایک مینارۂ نور! وہ تو ایک دریا ہے۔ رشک نیل، جو برف پوش پہاڑوں سے نکلتا ہے اور صدیوں سے صدیوں تک جاری و ساری ہے۔ لیکن زندگی کے حالات بدلتے ہیں۔ آبادی بڑھتی ہے نئی نئی ایجادات و اختراعات ہوتی ہیں اور ذرائع ابلاغ ایک حیرت انگیز رفتار سے ترقی کر رہے ہیں۔ لہٰذا داعی الی الخیر کا منصب یہ ہے کہ وہ ان نئی ایجادات و ابلاغیات کو خیر کی نشر و اشاعت کے لئے استعمال کرنا سیکھے۔ وقت کے تقاضوں کے مطابق خیر کے جن پہلوؤں پر زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے۔ ان پر زیادہ زور دے اور خیر کے جو رخ حالات کے تھپیڑوں کی زد میں ہیں انہیں تدقیق و تحقیق کے ذریعے نئے نئے طریقوں، آلات اور ٹیکنالوجی سے مضبوط و مستحکم کرے۔ اب کوئی عالم، دانشور، مفسر، فقیہہ، متکلم اور داعی نئے علوم و فنون سے لاتعلق رہ کر اپنے فرائض ادا نہیں کر سکتا۔

دعوت خیر کے لئے ٹیکنالوجی بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی مذہبی حس!

۱۱:- وہ اپنے گرد و پیش میں ایسا ماحول پیدا کرتا ہے جس میں خیر پروان چڑھ سکے اور شر اپنا سر پیٹ کر رہ جائے۔ وہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ جس میں مفاد پیوستہ طبقے نہ ہوں۔ جس میں اعلیٰ و ادنیٰ' بالا و پست امیر و غریب' سرمایہ دار و محنت کش اور متکبرین و مُستَضعَفِین کا وجود نہ ہو بلکہ سب برابر ہوں۔ ایک جیسے مواقع اور ایک جیسی توجہ کے مالک' کیونکہ خیر صرف ایسے ہی معاشرے میں زندہ رہ سکتی ہے' پنپ سکتی ہے اور اپنے پھل دے سکتی ہے طبقاتی معاشرہ نہ اسلامی ہو سکتا ہے نہ جمہوری!

اسے اپنی دعوت کا آغاز اپنی ذات سے کرنا چاہئے۔ اپنی ذات کو اپنی دعوت میں ڈھالنے کے بعد اسے اپنے خاندان کو ایک چھوٹا سا معاشرہ سمجھ کر اسے اپنی تجربہ گاہ بنانا چاہئے اور پھر اس تجربہ کی روشنی اور سچائی اپنے گرد و پیش میں پھیلانی چاہئے۔

۱۲:- دعوت الی الخیر کو ایک سہ منزلہ عمارت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اور وہ یوں کہ

زمینی یا بنیادی منزل پانچ اساسی عقائد یعنی توحید' رسالت' کتاب' ملائکہ اور آخرت پر مشتمل ہے۔

دوسری منزل پانچ ارکان اسلام یعنی کلمہ شہادت' نماز' روزہ' زکوۃ اور حج پر مشتمل ہے۔

اور تیسری منزل اخوت' مساوات' حریت' عوامیت اور عدل و انصاف سے تعمیر ہوتی ہے۔

یہ تینوں بالترتیب وجود پاتی ہیں اور تینوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ پہلی' دوسری کی ابتدا ہے اور یہ دونوں تیسری کی ابتدا ہیں۔ دوسری پہلی کی انتہا ہے اور تیسری ان دونوں کی انتہا۔ یہ تینوں ہی لازم و ملزوم ہیں اگر خدا نخواستہ پہلی میں کوئی ضعف پڑ جائے تو پوری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے۔ اور دوسری میں شگاف یا دراڑ پڑ جائے تو پوری عمارت مخدوش ہو جاتی ہے اور اگر پہلی دونوں سلامت رہیں لیکن

تیسری نذر انہدام ہو جائے تو یہ عظیم الشان عمارت اسلام ایک نظریہ بے ثمر، ایک تجربہ بے نتیجہ، ایک جسم بے سر اور ایک جہاز بے منزل بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ تینوں ہی بیک وقت لازمی ہیں یعنی اول عقائد

دوم ارکان اور

سوم ان پر منتج ہونے والا معاشرہ!

آنحضور ﷺ کا اسلام یہی تھا، قرون اولیٰ کا اسلام یہی تھا۔ صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین کا اسلام یہی تھا۔ اس وقت یہ واقعی کار فرما تھا۔ اور کرہ ارض پر مستولی اور جلوہ گر تھا۔

داعی الی الخیر اسی اسلام کا داعی، نقیب اور اعلانچی ہے۔ وہ اسی کا صحافی، نامہ نگار اور اداریہ نویس ہے۔ وہ اسی کا نمائندہ، ترجمان اور مدبر ہے۔ وہ اسی کا مناد، معلم اور مبلغ ہے۔ وہ اسی کا محقق، مجدد اور مفکر ہے اور وہ اسی کا مجاہد، غازی اور شہید ہے!

داعی الی الخیر کی شخصیت اور کردار کی تصویر کشی کی جو سعی کی گئی ہے۔ اس سے داعی کے اوصاف کافی حد تک واضح ہو جاتے ہیں۔ جنہیں مختصراً" یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱:- امانت و دیانت

۲:- صداقت و حق گوئی

۳:- شجاعت و شہامت

۴:- عدل و احسان

۵:- ایثار

۶:- تقویٰ

۷:- دِلنوازی و دل آویزی

۸:- حُسنِ طبیعت

۹:- سوزِ دروں

۱۰:- عِلم جوئی و عِلم گستری

۱۱:- آیات اللہ کا ادراک

۱۲:- تخلیقی و تعمیری جِدّت و نُدرت

۱۳:-جہاد و اجتہاد

موجودہ حالات میں نظامِ مُصطفیٰ ﷺ کا نفاذ اور عملی تجاویز

قرآن پاک کی سورۃ الانعام (۶) کی آیات ۲ تا ۳ میں آتا ہے:

"وہ (اللہ) ہی ہے جس نے تم کو مٹی سے (چونکہ انسانی جسم کا ایک بھی ذرہ غیر ارضی نہیں ہے اور یہ تمام اجزاء زمین سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے) پیدا کیا۔ پھر تمہارے لئے موت کا ایک وقت مقرر کر دیا اور (قیامت کی) ایک مدت اور بھی اس کے پاس مقرر ہے مگر تم لوگ ہو کہ شک میں پڑے ہوئے ہو۔ وہی ایک اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے ظاہر اور پوشیدہ سب حال جانتا ہے اور جو برائی یا بھلائی تم کماتے ہو اسے بھی وہ خوب جانتا ہے۔"

اسی سورۃ الانعام (۶) کی آیات ۱۳، ۱۴ میں فرمان خداوندی ہے:

"رات کے اندھیرے اور دن کے اجالے میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اور وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔ آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر جو زمین اور آسمانوں کا خالق ہے اور جو کھانے کو دیتا ہے اور کوئی اس کو کھانے کو نہیں دیتا۔ کسی اور کو اپنا معبود اور کارساز بنا لوں؟ آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں (اور تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شرک کرتا ہے تو کرے) تم بہرحال مشرکوں میں شامل نہ ہونا۔"

ان آیات سے صاف صاف واضح اور روشن ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا خالق ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ اس کی ذات کسی کی محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں۔

نتیجتہ" نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے سب سے پہلی بات یہی ہو گی کہ قولاً" فعلاً" اور عملاً اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کیا جائے اور ہر سو اسی کے احکامات جاری و ساری ہوں۔ یہ جبھی ممکن ہو سکتا ہے جب قرآن مجید کو پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے کا اہتمام و انصرام ہو گا۔

قرآن پاک کو فرقان مجید بھی کہا جاتا ہے، جو نیکی اور بدی میں فرق بتاتا ہے، جو ذہنی سکون اور نجات انسان کا زینہ ہے، جو زندہ رہنے کا قرینہ ہے، جو چشمۂ ہدایت کا خزینہ اور اسرار و رموز کا دفینہ ہے۔ مختصراً" قرآن زندگی سے عبارت ہے اور زندگی قرآن ہے۔

حضور پاک سرور کائنات ﷺ کی ذات مبارک سراپا اعجاز ہے۔ آپ کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے۔ صحیح بخاری باب الاعتصام میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو معجزہ مجھے عطا کیا گیا وہ وحی (قرآن) ہے۔ جس کو باری تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز میرے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہو گی۔

معجزۂ قران کے کئی پہلو ہیں :

۱:- قرآن کریم ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ اس کے الفاظ اور معانی کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

۲:- اس کی ایک آیت کی بھی نظیر کوئی نہیں بنا سکتا۔

۳:- اس کا حفظ کرنا آسان ہے۔ اسی کے باعث آج بھی ہزاروں لاکھوں حفاظ دنیا میں موجود ہین اور ہمیشہ رہیں گے۔

۴:- اس میں غیر معمولی اور بے مثل فصاحت و بلاغت ہے۔ جس کی وجہ سے سینکڑوں افراد جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کی ایک حدیث روایت فرمائی ہے :

"علماء کبھی اس کتاب سے سیر نہ ہو سکیں گے، نہ کثرت تلاوت سے اس کے لطف میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی اس کے عجائبات کبھی ختم ہو سکیں

گے۔"

قرآن حکیم کو ناظرہ پڑھنے والے لوگ اسکی نغمگی اور موسیقیت سے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے اندرونی محاسن اور معانی و مطالب کو پانے کے لئے عربی زبان و قواعد اور ادب و لغت سے پوری طرح واقفیت ضروری ہے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے کسی عارف کا لکھا ہے کہ "وہ قرآن مجید کا ایک ختم تو ہر جمعہ کو کرتے ہیں، ایک ختم ماہانہ کرتے ہیں اور ایک سالانہ، لیکن ایک ختم ایسا ہے جو انہوں نے تیس سال پہلے شروع کیا تھا اور ہنوز تشنہء تکمیل ہے"۔

تدبر بالقرآن کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اس کے بلیغ جملوں میں ایسے ایسے معانی پوشیدہ ہیں کہ انسان جتنا ان پر غوروفکر کرے اتنی ہی ان کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ اسی لئے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

صَد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست　　　عصرہا پیچیدہ دَر آیاتِ اوست

اس سیاق و سباق سے قرآن حکیم سے بصیرت کی ایسی شعاعیں پھوٹتی ہیں جو اگر فرد میں حلول کر جائیں تو اسے مرد کامل بنا دیں اور اگر معاشرے میں سرایت کریں تو اسے مثالی معاشرہ بنا دیں۔

حضور پاک سرور کائناتﷺ حامل قرآن بھی ہیں اور مجسم قرآن بھی، آپ کی ایک نہایت دلکش حدیث ہے: **اَلجمال فِی اللّسان**" یعنی حسن و جمال، رنگ و صورت اور نقش و نگار کا نام نہیں بلکہ شیریں بیانی اور خوش گوئی کا نام ہے۔ تلوار کا گھاؤ مندمل ہو سکتا ہے لیکن زبان کا نہیں۔ طاؤس کتنا بھی خوش رنگ سہی مگر بلبل کی آواز میں جو غنائیت، تاثریت اور طلسمیت ہے وہ طاؤس کو کہاں نصیب؟ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

گر تو قرآن بریں نمط خوانی　　　ببری رونقِ مُسلمانی

سرکار آنحضورﷺ نے فرمایا: "**زَیِّنُو القُرآنَ بَاَصوَاتکُم**" یعنی قرآن کو اپنی آوازوں سے مزّین کردو۔ قرآن آج بھی خوش الحانی سے پڑھا جائے تو افریقہ کا دشت گزیں، دور افتادہ حبشی، مسلمان ہو جاتا ہے۔ یہ سب حسن قول و آواز کے ہی کرشمے

ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا پاکستان میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے سب سے پہلے اللہ کی واحدانیت اور یکتائیت کے لئے بر سرکار ہونا ضروری ہے۔

۲ :- گھر سے شیطان کو بھگانے اور بدی کو روکنے کے لئے ہر مسلمان گھرانے میں روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کی جائے اور اللہ سے خیر کی دعا مانگی جائے۔

۳ :- ناظرہ قرآن کو تمام اسکولوں میں پانچویں جماعت تک لازمی کیا جائے اور باقاعدہ امتحان کا بندوبست ہو۔

۴ :- سیکنڈری سکول تک ترجمہ پڑھا کر اور بی۔اے بی ایس سی/ ایم۔اے ایم ایس سی تک قرآن پاک کے مطالب پڑھا کر امتحان لیا جائے۔ پرائیویٹ طالب علموں کو بھی اسی شیڈول پر عمل پیرا ہونا ہو گا۔

۵ :- قرآن فہمی ہی سے ہماری زندگیوں کے تمام شعبے قرآن کی روح کے مطابق منظم ہوں گے۔

۶ :- سائنس اور ٹیکنالوجی کے ساتھ قرآنی تعلیمات پر عبور ہونا لابدی قرار پائے۔

۷ :- درس قرآن کا مسجدوں کے علاوہ درسگاہوں اور دیگر مناسب مقامات جیسے کمیونٹی سنٹرز، صنعت و حرفت کے مراکز وغیرہ پر بندوبست ہو۔

۸ :- قاری، قاریہ اور حافظ، حافظہ کو خصوصی مراعات دی جائیں۔

۹ :- حسن قرات اور نعت خوانی کے مقابلے مختلف سطحوں پر سال بھر جاری رہیں۔

۱۰ :- نزول قرآن اور قرآنی علوم پر مبنی کانفرنسوں کا اہتمام کیا جائے۔

۱۱ :- چھوٹوں اور بڑوں کے لئے قرآن سمپوزیم اور سیرت کانفرنسوں کا باقاعدگی سے انعقاد ضروری ہے۔

۱۲ :- مختلف سطحوں پر قرآن پاک اور سیرت طیبہ سے متعلق معلومات عامہ کے مقابلے منعقد کرائے جائیں۔

۱۳ :- تبلیغی اور اصلاحی کورسوں کو جو قرآن و حدیث پر مبنی ہوں، پاکستان کے کونے کونے میں پہنچایا جائے۔

۱۴ :- بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد اور اس کے ادارہ دعوۃ اکیڈیمی اور ملک بھر کے اسی قبیل کے دیگر اداروں کے علمی، تحقیقی، تبلیغی اور عملی کاموں میں مزید وسعت دی جائے۔

۱۵ :- سارے ملک میں قرآن اور سیرت اکادمیاں قائم کی جائیں۔

۱۶ :- وزارت مذہبی امور سے متعلق وزارتیں قرآن و حدیث کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

۱۸ :- اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی مجالس سے استفادہ کیا جائے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہی نہیں وہ اس کی عبادت کیونکر کر سکتا ہے؟" دوسرے لفظوں میں باری تعالیٰ کی معرفت کا فقدان ہی ہماری تمام خرابیوں کی بنیاد ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اولیائے عظام سے معرفتِ الٰہیہ کے رموز سیکھیں تاکہ ہم عبادات کی روح اور مغز تک پہنچ کر اپنے ظاہر و باطن کو پاک اور منزہ کر سکیں۔ سرور کونین ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ تین چیزیں تمام اشیاء سے افضل ہیں۔ ① علم ② فقر ③ زہد و تقویٰ۔

۱۹ :- انسانیت کی معراج پانے کے لئے نفس، اعمال، کردار اور عبادات کی اصلاح کے لئے تگ و دو کی جائے۔

۲۰ :- فرمان باری تعالیٰ ہے کہ :"اے ایمان والو! اسم اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور صبح و شام اللہ کے نام کی تسبیح کرو۔" (پارہ ۲۲۔ الاحزاب۔ ۴۲) حضور علیہ الصلواۃ و السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ :"قَلْبُ الْمُؤْمِنِ مِرْآةُ الرَّحْمٰنِ" (مومن کا دل رحمٰن (اللہ) کا آئینہ ہے)۔

۲۱ :- اللہ کا ذکر ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اسی سے روح کی بیماریاں جیسے خیانت، حرص

و طمع، غرور و نخوت، نفاق، غیبت، عیب جوئی، بدگوئی، بدگمانی، بغض، کینہ، غصہ، شہوت، ہوا، ہوس اور حب دنیا وغیرہ دور ہوتی ہیں۔

۲۲ :- حدیث قدسی میں باری تعالیٰ کا فرمان ہے : "اَنَا بَیْنَ شَفَتَیْہِ اِذَا ذَکَرَنِیْ" (جب کوئی میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے دو ہونٹوں کے درمیان ہوتا ہوں) ظاہر ہے کہ انسان کے دو ہونٹوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان، غیر محدود ذات تو نہیں آسکتی، صرف اسم اللہ ذات ہی آسکتا ہے۔

۲۳ :-حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا :"مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ" (جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے یقیناً اپنے رب کو پہچان لیا)۔

۲۴ :-اس سلسلے میں غالباً" مفید ترین کام ہمارے پیش امام اور خطیب حضرات انجام دے سکتے ہیں۔ اگر وہ سیاسیات یا عمومیات یا فقہی اختلافات یا ہنگامیات کی بجائے اپنے مواعظ جمعہ کا موضوع قرآنیات بنالیں اور طویل و عریض لیکچروں کی بجائے ترتیب سے کسی ایک آیت کا پہلے لفظی ترجمہ کریں، پھر اسی کی تشریح و توضیح کریں اور پھر اس کا اطلاق و انطباق ہمارے موجودہ معاشرے پر سمجھا دیں تو یہ بہت دوررس اور تاریخی کام ہو گا اور قرآن حکیم کا نور فردا" فردا" ہر گلی، بستی اور گاؤں میں پہنچنا شروع ہو جائے گا۔

آقائے نامدار سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں خود اللہ تعالیٰ متعدد بار فرماتے ہیں۔ مثلاً :

۱ :- اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیّت کا ظہور نہ فرماتا۔ (جواہرالبحار جلد ۴ ص ۲۳۱)

۲ :- اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ فرماتا۔ (جواہرالبحار جلد ۲ ص ۱۰)

۳ :- اور ہم نے (اے محبوب ﷺ) آپ کا ذکر بلند فرما دیا ہے۔ (پارہ ۳۰-الم نشرح)

۴ :- اور اے محبوب ﷺ بے شک آپ خُلقِ عظیم کے مالک ہیں۔ (پارہ ۲۹۔ القلم)

۵ :- اے محبوب (ﷺ) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں پر محیط رسالت دے کر خوشخبری سنانے والا اور اللہ سے ڈرانے والا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (پارہ ۲۲۔ السبا' آیت ۲۸)

۶ :- حضرت رسول اکرم ﷺ پر ذات باری بمعہ جمیع ملائکہ ہمیشہ درود شریف بھیجتے رہتے ہیں---------- اسی لئے ہم جتنا زیادہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اسے اپنائیں گے اتنا ہی ہمیں دینی و دنیاوی فائدہ ہی فائدہ ہو گا۔

مختصرا" اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلواۃ و السلام کے ہر قول و فعل کی فرمانبرداری کرنے کا ہمیں بغیر کسی استثناء کے حکم دیا ہے جیسے۔

"جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔" (پارہ ۵ سورہ النساء ۸۰)

"بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔" (پارہ ۲۱ سورہ الاحزاب ۲۱)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں' باز رہو۔" (پارہ ۲۸ سورہ الحشر ۷)

ہمیں نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے سلسلے میں بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینا ہو گی۔ اس سلسلے میں حضور پاک سرور کائنات ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ سے واضح رہنمائی ملتی ہے۔ مثلاً۔ آپ ﷺ چھوٹے چھوٹے بچوں میں تشریف فرما ہوتے' ان سے انتہائی شفقت و محبت کا اظہار کرتے' کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ گفتگو فرماتے' انہیں دیکھ کر سلام میں پہل کرتے' ان کے دکھ درد کو اپنا سمجھتے اور ان کے حلقہ میں پہنچ کر آپ کی شان رحمت یوں ظاہر ہوتی ہے کہ بچے اپنے شفیق و مہربان والدین کی شفقت و مہربانی کو فراموش کر بیٹھتے۔ (احترام بچہ 'کوئٹہ 'ص ۸)

آنحضور ﷺ کی تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ فرد کو ایک اچھا انسان بنایا جائے۔ اس میں انسانیت کے جوہر کی نشوونما ہو اور وہ ارتقائی مراحل سے گزر کر معاشرے میں

نیکی پھیلانے والا بنے۔ اسی لئے قرآن حکیم(۴۹ : ۳) میں واضح طور پر آیا :"یعنی۔ تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

فرد کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو سے وہ اپنے خالق سے عبادت، ذکر الٰہی، مصاحبت اور دعا و تشکر سے مضبوط تعلق رکھے ہوئے ہے اور دوسرے پہلو سے وہ مخلوق خدا کی نسبت سے خدمت، نفع اور فیض پہنچانے کو اپنا وطیرہ بنائے ہوئے ہے۔ اسی خدمت خلق کے باعث وہ دنیا کی فلاح اور آخرت کی کامیابی حاصل کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ "بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسا خدا کی راہ میں سعی کرنے والا" راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا "جیسا وہ نمازی ہے، جو نماز سے نہیں تھکتا اور وہ روزہ دار ہے جو کبھی روزہ نہیں توڑتا۔" دوسرے لفظوں میں مالی و جسمانی معاونت اجتماعی زندگی کی روح اور فرد کے سکون کی ذمہ دار۔ جس معاشرے میں افراد ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں وہ مادی اعتبار سے خوشحال اور روحانی لحاظ سے اطمیان بخش ہوتا ہے اور وہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارکہ کا نمونہ بن جاتا ہے :"کوئی بندہ اس وقت کامل ایمان والا نہیں ہوتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہ بھلائی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اخلاقی برائیوں جیسے ہوس، بخل، جبر و تشدد اور ظلم و وحشت کا علاج خدمت خلق سے کیا ہے۔ خدمت خلق کی ضروریات میں شامل ہیں۔ محبت و شفقت، نرمی و ہمدردی اور ایثار و قربانی۔ محنت اور عمل سے متعلق کتاب و سنت میں اچھے خاصے احکام موجود ہیں اور شارع کی حیثیت سے حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا نمایاں حصہ ہیں۔ جنہیں ہمیں پاکستانی معاشرے میں جاری و ساری کرنا ہوگا۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے :"اور یہ اس کی رحمت ہی تو ہے کہ اس نے

تمہارے لئے رات اور دن بنا دیئے کہ تم آپس میں آرام بھی کرو اور اسکی روزی بھی تلاش کرتے رہو۔" (سورۃ القصص، آیہ ۷۳) حدیث شریف میں آتا ہے: **ما کسب الرّجل کسبا اطیب من عَمل یدہٖ** (انسان کے لئے کوئی کمائی اس کے ہاتھ کی کمائی سے زیادہ پاکیزہ نہیں) (ابن ماجہ عن مقدام بن معد یکرب بہ حوالہ کنز العمال ۴: ۴) ایک دوسری حدیث میں آنحضورﷺ نے فرمایا: **اِن اللّٰہ یحُب العبَد المئومن المحترف** (اللہ تعالیٰ اس مومن بندے کو پسند کرتا ہے جو کسی حرفت میں لگا ہو) (طبرانی عن ابن عمر بہ حوالہ کنز العمال ۴: ۱)

سرور کونینﷺ نے خادموں کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا فرمایا ہے۔ اس مبارک ہدایت پر عمل ہوا تو یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما جیسے غنی و متمول صحابہ کرامؓ جب اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھے ہوتے تو اجنبی پہچان نہ سکتا کہ ان میں آقا کون ہے اور غلام کون، کیوں کہ معیار معیشت میں ان کے درمیان کوئی فرق نہ آتا تھا۔

بعض احادیث کی رو سے نوکروں کے ذمہ مالکوں کے حقوق کے تحت یہ ضروری ہے کہ مزدوری کے وقت یا نوعیت کی تعین کے بعد نوکر اور مزدور کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کام کو سرانجام دینے میں اپنی پوری صلاحیت صرف کرے۔ علاوہ ازیں ایمان داری اور خیر خواہی کے تقاضوں کو بھی بروئے کار لائے۔

یہی صورت حال حکومت اور حکومت کے ملازمین پر بھی لاگو ہو گی۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ حکومت وقت سے پوری مراعات حاصل کی جائیں اور اس کے مقابلے میں کام چوری، بددیانتی، بدعنوانی اور رشوت کو اپنا کر پورے کے پورے معاشرے کو تہ و بالا کر ڈالا جائے۔ حرام کی دولت رشوت سے آئے یا دوسرے ذرائع (مثلاً ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، دوسروں کا حق چھین کر، وغیرہ) سے وہ اپنے ساتھ ہر بدی کو لاتی ہے اور حرام کی کمائی کھانے والوں میں بے حیائی، جھوٹ، مکروفریب، بدتمیزی، ماں باپ کی نافرمانی، بے رحمی، بے حسی، خود غرضی، جواء بازی غرضیکہ ہر برائی ان کے اندر پھوٹ پڑتی ہے اور معاشرہ ان کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

پاکستانی معاشرے میں حرام کی کمائی کو روکنے کے لئے دینی' عوامی اور حکومتی محاذوں سے جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔ بے شک اس سلسلے میں بے شمار مشکلات کا ہی سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ حضور پاک سرور کائنات ﷺ نے بار بار یہ وضاحت فرمائی کہ معاشی جدوجہد کا مرتبہ عبادت الٰہی کے برابر ہے۔ بلکہ کسب حلال خود اپنی جگہ پر ایک عبادت ہے۔ کسب حلال اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اس کی خلاف ورزی معصیت اور گناہ ہے۔ ایک بندۂ مومن حلال مال کے لئے جو محنت کرتا ہے اس کی وجہ سے وہ اللہ کا پیارا اور حبیب ہو جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ :

۱:- جو ایک پودا بھی زمین پر لگاتا ہے وہ نیک عمل کرتا ہے۔ جس کے صلے میں وہ جنت کے باغوں کا مستحق قرار پاتا ہے۔(زراعت)

۲:- ایمان دار تاجر قیامت کے دن عرش اعظم کے سائے میں جگہ پائے گا۔(تجارت)

۳:- محنت اور مزدوری کر کے حلال روزی کمانے والا اللہ تعالیٰ کا حبیب دوست ہوتا ہے۔(محنت)

جن مکاسب سے معاشرے کو انفرادی یا اجتماعی نقصان پہنچتا ہے وہ ناجائز ٹھہرائے گئے ہیں۔ سود کی کلی ممانعت ہے' سود جسے عربی میں ربوا کہتے ہیں' اس کی متعدد صورتیں ہوتی ہیں اور ہر صورت میں سود حرام ہے۔ اسلامی قانون وراثت ایک بڑی اہم معاشی اصلاح ہے۔

ضروریات زندگی جیسے غذا' پانی' مکان' لباس' دوا وغیرہ' ضروریات کارکردگی جیسے کسان کے لئے ہل' بیل' ٹریکٹر وغیرہ' صنعت کار کے لئے اوزار' آلات وغیرہ' تاجر کے لئے گودام اور سائبان وغیرہ اور ضروریات توانائی جیسے سیر و تفریح اور ورزش وغیرہ کو اسلامی شریعت نے تسلیم کیا ہے۔ مگر ان کی تکمیل کے لئے اعتدال سے باہر قدم بڑھانے کی قدغن ہے۔ سرور کونین ﷺ نے اعتدال کی راہ مستقیم پر رہنے کے سلسلے میں بہت سی ہدایات دی ہیں' جنہیں ہم اپنا کر پاکستانی معاشرے کو بہتر سے بہتر بنا سکتے ہیں۔ مثلاً

۱:- کھانے پینے میں حرام و حلال کی پابندی قائم رکھو۔

۲:- ایسا مکان تعمیر نہ کرو جو ضرورت سے زائد ہو۔

۳:- خود کھاؤ' پیو تو یہ یاد رکھو کہ ہمسایہ بھوکا تو نہیں۔ ہمسایوں سے اچھا سلوک کرو۔ انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے اور بلا تخصیص مذہب ان کی ہر مشکل میں کام آؤ۔

۴:- سائل اور محروم کے حق سے غافل نہ ہو جاؤ۔

۵:- قرابت داروں کے حقوق اور ضروریات کو یاد رکھو۔

۶:- صلہء رحمی کو اپناؤ۔

۷:- اسراف سے بچو حتیٰ کہ وضو جیسے عمل عبادت میں بھی پانی ضرورت سے زیادہ صرف نہ کرو۔ اس حدیث نبوی ﷺ کو بھی پیش نظر رکھو جس میں صبح کو چراغ بجھا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

۸:- مال و متاع کے بیجا صرف' اس کی نمود و نمائش اور اس پر فخرو غرور سے بچو۔

۹:- جہیز' شادی بیاہ اور مرگ و سوگ کی فضول رسومات کو ختم کرو۔ جہیز مانگنا اور رشوت لینا برابر کے گناہ ہیں۔ حرام کی دولت سے بنایا ہوا جہیز لڑکے لڑکی دونوں کے لئے زندگی عذاب بنا دیتا ہے۔ مرنے کے بعد حرام سے بنایا زیور آگ بن کر جلائے گا اور سانپ بن کر ڈسے گا۔

۱۰:- اپنے گھر کے ماحول کو' گلی' محلے اور قصبے کے ماحول کو اچھا بناؤ۔

۱۱:- لوگوں کے آپس میں لڑائی جھگڑے ختم کروانے میں اپنا کردار ادا کرو۔

۱۲:- گھر میں بد زبانی' گالی گلوچ اور گندی زبان استعمال نہ کرو بلکہ خوش اخلاقی سکھاؤ۔

۱۳:- گھر میں افراد خانہ میں عدل قائم کرو۔

۱۴:- جب کوئی لقمہ زمین پر گر جائے تو اسے اٹھاؤ اور صاف کر کے کھاؤ۔

۱۵:- شکر نعمت، وسائل اور ذخائر کی حفاظت کا وطیرہ اختیار کرو۔

۱۶:- زبان، دل اور عمل کی سچائی اپناؤ۔

۱۷:- اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس رکھو۔ کیونکہ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔

۱۸:- امانت دار اور راست باز تاجر کو انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کی معیت کا شرف حاصل ہو گا۔

۱۹:- سرور کائنات ﷺ نے مندرجہ ذیل طریقوں سے خرید و فروخت سے منع فرمایا:

۱:- تجارت میں مبالغہ آمیزی اور جھوٹی قسمیں کھانا۔

۲:- ناپ تول میں بے احتیاطی برتنا۔

۳:- پھل تیار ہونے سے پہلے بیع کرنا۔

۴:- حرام اشیاء کی تجارت کرنا۔

۵:- خرید و فروخت کے وقت مال کا نقص بیان نہ کرنا۔

۶:- اچھے بُرے مال کا اختلاط۔

۷:- پانی کی بیع سے منع فرمایا۔

۸:- گوشت کے بدلے جانور کی بیع کی ممانعت۔

۹:- دودھ ہار جانور کا تجارت کی غرض سے دودھ روکنا۔

۲۰:- سلام (السّلامُ علیکم، وعلیکمُ السّلام) کو پھیلاؤ۔ سلام کرنے سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

۲۱:- ظلم روا نہ رکھو۔ کیونکہ جنت میں داخلہ اس شرط پر مشروط ہے کہ داخل ہونے والا ظالم نہ ہو۔

۲۲ :- حضور پاک ﷺ کے ارشادات عالیہ میں سے ذیل کے تین سنہری اصول معاشرے کی سربلندی کا باعث بنیں گے۔

۱ :- وہ ہم میں سے نہیں جو ظلم میں اپنی قوم کا ساتھ دیتا ہے۔

۲ :- نہ وہ ہم میں سے ہے جو ناانصافی کرنے کے لئے دوسروں کو اپنی مدد پر بلاتا ہے۔

۳ :- نہ وہ ہم میں سے ہے جو ظلم میں اپنے قبیلے کی حمایت کرتے ہوئے مارا جاتا ہے۔

اس وقت ہم قبیلے، نسل، رنگ، زبان، خطے اور مسلک میں بٹے ہوئے ہیں۔ اس کا جواب ہادیء برحق ﷺ نے خطبتہ الوداع جو اسلامی تعلیمات کا نچوڑ اور عطر ہے، یوں دیا ہے:

"لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے۔"

مزید ارشاد فرمایا:

"اسلام کے رشتہ نے مختلف رنگ و نسل کے انسانوں کو باہم بھائی بنا دیا۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

انہی ارشادات عالیہ کو معاشرے میں پھیلانے کی اشد ضرورت ہے۔ ہر پاکستانی کو انہیں حرزجاں بنانا چاہئے۔ مساجد جو تقویٰ کی جگہیں ہیں، وہاں سے ہر وقت، یکجہتی، محبت، اخوت اور بھائی چارے کا پیغام ملنا ضروری ہے۔ ہر پلیٹ فارم پر اس کا اظہار ہونا چاہئے۔ ذرائع ابلاغ عامہ (ٹیلی ویژن، ریڈیو اور اخبارات) کو بھی خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ملک بھر میں فحاشی کو روکنے کے لئے ایک ہمہ گیر مہم چلائے جانے کی متقاضی ہے۔ اصل بلیو پرنٹ اخبارات کی ننگی تصویریں، وی سی آر اور ہندوستانی فلمیں ہیں۔ ان کی روک تھام وقت کی آواز ہے۔ معاشرے کے مجبور و مقہور طبقوں کی

بہبودی کے لئے بھی اصلاحی مہم چلانے کی ضرورت ہے جس کے طفیل انہیں معاشرے میں ایک باعزت مقام مل سکے۔

وطن عزیز میں نظام تعلیم کا جائزہ لیں تو ایک تقسیم دینی اور دینوی مدارس کی صورت میں ہے اور دوسری بڑی تقسیم انگریزی ذریعہ تعلیم اور اردو ذریعہ تعلیم کی شکل میں مروج ہے۔ ان گروہوں میں کئی عام تعلیم کے ادارے شامل ہیں۔ جیسے حکومت کے زیر انتظام تعلیمی ادارے، مشنری سکول اور کالجز، مشنری اداروں کی طرز پر قائم کردہ مگر مقامی افراد یا تنظیموں کے زیر انتظام چلنے والے ادارے۔ انگریزی ذریعہ تعلیم کے وہ ادارے جو بڑے شہروں کے رہائشی علاقوں میں جگہ جگہ قائم ہوئے ہیں۔ کمیونٹی اسکول اور کالجز۔ پھر ان اداروں کے مزید گروپ بن جاتے ہیں۔ جہاں جدا نصاب، مخصوص ماحول، تعلیمی سہولتوں میں فرق، اساتذہ کے مختلف اسکیل اور طالب علموں کی طبقاتی حیثیت نمایاں نظر آتی ہے۔ دینی مدارس دراصل مسلکی مدارس ہیں۔ ان میں بھی ہر مسلک کے تعلیمی اداروں کا نصاب، ماحول اور رنگ مشترک نہیں۔ مختلف نوع کا ہے۔

اس کیفیت سے یہ بات روز روشن کی طرح ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ہمارے ملک میں اس وقت کوئی قومی نظام تعلیم نہیں بلکہ سارے نظام پر طبقاتی، گروہی، فرقہ وارانہ، ملکی اور غیر ملکی اثرات غالب ہیں۔

نتیجہ سامنے ہے کہ قیام پاکستان کے بعد قریباً" نصف صدی گزرنے کے باوجود ہم ایک قوم کی حیثیت اختیار نہیں کر سکے۔ کیونکہ ہماری درسگاہیں مساوات کا عملی نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ہمیں حضور پاک سرور کونین ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے صفہ کی درسگاہ کی روایت (علم کو بنیادی ضروریات ہوا، پانی میں شامل کر کے اس کا حصول آسان اور بغیر معاوضے کے بنایا۔ اصحاب صفہ معاشی اعتبار سے سب سے پسماندہ لوگ تھے۔ مگر علم کے ناطے سے وہ بڑوں بڑوں پر سبقت لے گئے) کو اپنانا ہو گا۔

کتاب اللہ سے رہنمائی (یعنی تلاوت آیات، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفس ---- گویا اذہان و قلوب کی سب اخلاقی بیماریوں، نیتوں اور ارادوں کے سب

فسادات کا علاج، سرکاری، عدالتی، تعلیمی، سیاسی، معاشرتی، تمام امراض اور ان کے انسداد و تدارک کا تنہا حل---) سیرت پاک ﷺ سے روشنی (گویا آپ ﷺ کے ارشادات، فرمودات، تقاریر، اقوال، افعال و اعمال سے کسب فیض) بزرگوں کے حالات زندگی سے سبق لینا، تربیت گاہوں کو سنوارنا، شاہراہ زندگی پر آنکھیں کھول کر چلنا، علامہ اقبال اور دیگر مفکرین اسلام جیسے رومی، عطار، غزالی، ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ وغیرھم سے استفادہ کرنا ہو گا۔

تعلیم کا اولین مقصد حصول معاش بدلنا ہو گا۔ ذات کی تکمیل، اعلیٰ انسانی اوصاف کا حصول اور پوشیدہ صلاحیتوں کا نکھارنا ہو گا۔ انہی سے ہر فرد ملک و ملت کی حقیقی خدمت کا اہل بنے گا۔ یکساں نظام تعلیم کو رائج کرنا اور خواتین کی یونیورسٹی الگ قائم کرنا ہو گی۔ ملک بھر کی درسگاہوں میں ایک سی یونیفارم کو رواج دینا ہو گا۔ ذہنوں میں تبدیلی لانے کے لئے فی الفور تمام تعلیمی درسگاہوں میں ہر روز ایک آیت اور ایک حدیث کا ترجمہ لازمی قرار دینا ہو گا۔ مساجد سے تبلیغ و اصلاح کا کام بھرپور انداز سے لینا ہو گا۔

ذرائع ابلاغ روزانہ قرآنی آیات اور احادیث شریف اور ان کا ترجمہ پیش کرتے ہیں لیکن سالہا سال کا مشاہدہ یہ ہے کہ صرف چند آیات و احادیث ہی پیش کی جاتی ہیں جو مخصوص طبقات کے لئے تقویت کا باعث تو بن سکتی ہیں لیکن قرآن و حدیث کا مجموعی تاثر پیدا کرنے سے قاصر ہیں مثلاً آج تک ہمارے ریڈیو یا ٹی وی نے یہ آیت پیش نہیں کی کہ "ظالموں کا ساتھ نہ دو ورنہ تمہیں بھی آگ لگے گی۔" (سورہ ھود آیت ۱۱۳) پتہ نہیں اس کو نہ پیش کرنے میں کیا مصلحت ہے اور اسے پیش کرنے سے کن کے مفادات پر ضرب لگنے کا اندیشہ ہے۔ ایسے ہی ایسی احادیث شاید ہی کبھی پیش کی گئی ہوں جیسے "قوم کا سردار وہ ہے جو اس کا خادم ہے۔" "تمہارا اپنے بھائی کی مدد کے لئے ایک ساعت کھڑا ہونا سال بھر کے اعتکاف سے بہتر ہے"۔ "جو شخص جانتے بوجھتے ہوئے ظالم کے ساتھ چلتا ہے تاکہ اسے تقویت ہو تو وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔" "عالم کی نیند جاہل کی عبادت سے بہتر ہے۔" "جہالت زندوں کی موت

ہے۔" حالانکہ ان کی ہمارے معاشروں کی تطہیر و تشکیل نو کے لئے اشد ضرورت ہے۔

ان دنوں ہمارے ٹیلی ویژن سے ایک پروگرام عربی کی تدریس و تفہیم سے متعلق پیش کیا جا رہا ہے جو علمی مقصد کے ساتھ ساتھ درس اسلامی کا بھی مظہر ہے۔ ہمیں ایسے ہی مفید پروگرام مطلوب ہیں۔

تائید ایزدی سے معاشرے میں قرآن و حدیث کی بالادستی کے باعث سب برائیاں دور ہو جائیں گی اور ہم نظام مصطفیٰ ﷺ سے بہرہ یاب ہو سکیں گے جو معاشرے کی تربیت خوف خدا اور تصور آخرت کی بناء پر کرتا ہے۔ انہی سے معاشرہ اندر سے تبدیل ہوتا ہے اور قانون شکنی اور سرکشی کا شائبہ تک نہیں رہتا۔ قرآن کریم میں سینکڑوں آیات اور ان کے علاوہ احادیث انسان کے باطن کو بدلنے والی اور اسے خوف خدا اور تصور آخرت سے پیوستہ رکھنے والی ہیں۔ اسی تعلیم و تربیت کا حاصل تھا کہ جب ایک ماں اپنی بچی سے دودھ میں پانی ملانے کو کہہ رہی تھی تو بچی نے جواب دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا ہے اور جب ماں نے یہ کہا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ دودھ میں پانی ملاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں؟ تو جھٹ بچی بول اٹھی: "ماں! عمر رضی اللہ عنہ تو نہیں مگر عمر رضی اللہ عنہ کا خدا دیکھ رہا ہے۔"

آج بھی طبیعتوں میں اس قسم کا انقلاب برپا ہو جائے تو انسان خود بخود جرائم کے ارتکاب سے بچیں گے۔

خلاصہء کلام یہ کہ نظامِ مصطفیٰ ﷺ ایک ناقابل عمل یا ناقابل حصول چیز نہیں لیکن بعض لوگوں نے اسے ایک چیستان بنا دیا حالانکہ یہ سب چیستانوں کا حل تھا اور ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ میں: "وہ جو نبیء امی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں، جن کے اوصاف کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام (معروف) کا حکم دیتے ہیں اور برے کام (منکر) سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں (طیبات) کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں (خبائث) کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر ان کے سروں کے بوجھ اور گلوں کے طوق اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے، ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ

نازل ہوا ہے اسکی پیروی کی وہی مراد پانے والے (مہتدون) ہیں۔" (الاعراف :۵۷)

نظام مصطفیٰ ﷺ کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد القہار ہے اور حکم صرف اسی کا ہے۔ **اِن الحکم اِلاَّ لِلّٰہِ** دوسرا اصول اس کا یہ ہے کہ مرسلین جو آئینہ دار بشیری و نذیری ہیں۔ تمام ادوار کے نام نہاد حکمرانوں، سیاستدانوں، مدبروں، فلسفیوں، ماہروں، متخصصوں، انتظام کاروں، عالموں، فاضلوں اور دانشوروں سے برتر و بالاتر ہیں اور بنی نوع انسان کے قریب ترین اور محفوظ ترین رہنما اور قائد ہیں اور صرف انہی بے غرض و بے لوث اصحاب مبشرہ کا اتباع ہی انسان کو فلاح کی طرف لے جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ میں: "اور شہر کے پرلے کنارے (اقصا المدینہ) سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم! مرسلین کے پیچھے چلو، ایسوں کے جو تم سے اجر یا صلہ نہیں مانگتے اور جو سیدھے راستے پر (مہتدون) ہیں۔" (سورۂ یٰسین ۲۰ :۲۱)

نظام مصطفیٰ ﷺ اصل میں اسلام کا ہی دوسرا نام ہے۔ اگر کوئی مہین سا فرق ہے تو صرف اتنا کہ اسلام عقیدہ و نظریہ ہے تو نظام مصطفیٰ ﷺ اس کی عملی شکل ہے۔ اس میں قرآن مجید، سنت رسول ﷺ ، اسوۂ حسنہ اور آنحضور ﷺ کے اسالیب سب کچھ اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ اسلام ایک مرئی شکل میں ہو بہو، سرتاپا اس میں نظر آجاتا ہے۔

اسلام کی کلید احترام انسان ہے اور نظام مصطفیٰ ﷺ اسی کا حامل، علمبردار اور قیم ہے۔ یہ احترامِ انسان کا ہی شعور تھا کہ آنحضور ﷺ بعثت سے پہلے قریباً" ربع صدی تک جبل النُّور کی غار حرا میں معروف مجاہدہ و مراقبہ رہے۔ بعثت کے بعد یہی شعور تھا کہ اعلائے کلمتہ الحق کے لئے ہر قسم کی سختی برداشت کی، پتھر کھائے، زخم سہے اور نجاست تک گوارا کرلی۔ صرف اس لئے کہ شعور بیدار قائم و دائم رہے اور صرف اس لئے کہ انسانوں کا ضمیر منوم اور شعور خفتہ اپنے ان بار بار ناکام حملوں کے بعد شعور پختہ کی سد سکندری سے ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو کر رہ جائے یا اس میں کوئی رہی سہی رمق زندہ ہو سکے۔

یہ احترام انسان ہی تھا کہ انتہائی نفاق و شقاق اور ابتذال و اشتعال کے باوجود کبھی آپ ﷺ کے مبارک ماتھے پر کسی نے کوئی تیوری تک نہ دیکھی بلکہ مخالف جتنا بھی سخت اور جان کا لاگو ہوتا احترام انسان کا یہ پیکر بے مثال اور واسع الاخلاق آنحضور ﷺ اتنی ہی بردباری اور دلنوازی سے کام لیتے اور وہ اکثر و بیشتر ان کا مطیع اور حلقہ بگوش ہو جاتا۔

یہ احترام انسان ہی تھا کہ آپ ﷺ بچوں کے لئے ہمہ شفقت، خواتین کے لئے ہمہ عزت، بڑوں کے لئے ہمہ ادب، سائلین کے لئے ہمہ کفالت اور معذورین کے لئے ہمہ دستگیر بنے رہے۔

یہ احترام انسان ہی تو تھا جس کے لئے آپ ﷺ نے قرآنی تعلیمات کو اپنے طبعزاد لیکن محیط الوقت لبادے اوڑھائے کہ وہ آج بھی اور ابدالآباد تک نگار خانہء تاریخ میں ایسے جگمگا رہے ہیں کہ کوئی ماہر معاشیات و عمرانیات اور کوئی نقاش امکانیات و مستقبلیات عمر بھر کی دیدہ ریزی کے بعد بھی ان کی گرد تک نہ پہنچ سکا۔ یہ چیدہ چیدہ اسالیب مندرجہ ذیل تھے جو سینہء گیتی پر ایسے ثبت ہیں گویا ابھی ابھی نقش ہوئے ہیں:

① مواخات ② مساوات ③ حریت ④ عوامیت ⑤ عدل و انصاف۔ ان اسالیب کی مختصر کیفیات درج ذیل ہیں:-

۱:- مواخات کے اسلوب سے آپ ﷺ نے مہاجرین مکہ کے ایک عارضی لیکن حقیقی معاشی و نفسیاتی مسئلے کا ایسا جامع اور پائیدار حل تلاش کیا جو رہوار وقت سے گرے یا گرتے ہوئے یعنی انحطاط پذیر یا ترقی پذیر معاشرے کو **"قم باذن اللہ"** کی طرح دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔

۲:- مساوات کے اسلوب سے آپ ﷺ نے ایک عام آدمی کو بھی خاص سے خاص انسان کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔

۳:- حریت کے اسلوب سے آپ ﷺ نے کمزور سے کمزور اور نادار سے نادار انسانوں کو زبان دی اور وہ نہ صرف کھل کر اپنا مافی الضمیر بیان کرنے لگے بلکہ

اونچے سے اونچے اور متکبّر سے متکبّر انسان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولنے لگے اور برملا ان کے اعمال کا محاسبہ و مواخذہ کرنے لگے۔

۴ :- عوامیت کے اسلوب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ترک انانیت کے ذریعے دوسروں کے لئے جینا، سوچنا اور کام کرنا سکھایا۔

۵ :- عدل و انصاف کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا اسلوب اختیار کیا کہ ہر دور کے متکبرین اپنے دور کے مستضعفین کے سامنے دبے رہیں اور انکے حقوق و املاک پر چھاپہ مارنے کا کبھی سوچ بھی نہ سکیں۔

یہ چند اسالیب بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ آج بھی اتنے ہی مؤثر، نتیجہ خیز اور بار آور ہیں جتنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور زریں سے اب تک رہے ہیں اور ہمیشہ تک رہیں گے۔ بقول علامہ اقبال ؎

بمصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

سیرتِ پاک ﷺ کا فیضان، بلوچستان میں

اللہ تعالیٰ نے "نسخہء کونین" کے "دیباچہ" اور "آبروئے ہردو سرا" سرورِ کون و مکاں حضور پاک ﷺ کو فرقانِ مجید میں مختلف القابات سے یاد فرماتا ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

"معلم کتاب و حکمت، تاریکیوں سے نکالنے والے، غلط بندھنوں سے نجات دلانے والے، سراپا ہدایت، سراپا رحمت اور صاحب خلق عظیم"۔ خلق عملی سیرت کا نام ہے۔ اسی لئے قرآن پاک کی تعلیمات کی عملی شکل کے ادراک کے لئے آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کے قول، فعل اور عمل کو بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

سیرت کے معنیٰ سنت، طریقہ اور مسلک کے ہیں۔ سیرت میں بنیادی طور پر طنیت و سرشت، افتادِ طبع، انداز فکر، طرز عمل اور پھر اس کے اثرات، یہ تمام باتیں شامل ہیں۔ بالاتر آنکہ حضور نبی کریم ﷺ سیرت کا سب سے بڑا پہلو رسالت ہے اور رسالت کا تعلق پوری انسانیت سے ہے۔ انسان کے اس مقام سے ہے جو اسے کائنات کی بھری محفل میں میسر ہے۔ خود اس کائنات سے ہے جس کا یہ انسان ظاہری طور پر معمولی مگر اہم جزو ہے۔ اس زندگی سے ہے جو اس کائنات میں ابھری ہے اور ارتقائی منازل طے کرتی جاتی ہے۔ چونکہ رسول پاک ﷺ کی شخصیت سے رسالت کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے آنخضرت ﷺ کی زندگی فقط پیدائش سے وفات تک کے واقعات میں دوسرے اشخاص و افراد کی زندگیوں کی طرح مقید نہیں ہو سکتی۔ نتیجتاً" سیرت نبوی کے دائرے میں چند تاریخی واقعات اور سوانح حیات ہی نہیں آئیں گے۔ سارا قرآن آ جائے گا، ساری ہدایات و تعلیمات آئیں گی، تمام احکام و قوانین اور فرامین و مکاتیب، عقائد و عبادات اور معاملات و آداب آئیں گے۔ بلکہ ان تمام رفقاء کے حالات بھی جن کی خاص تربیت آنخضرت ﷺ نے فرمائی اور انہیں مختلف ذمہ داریاں تفویض کیں اور پھر ان سب مخالفوں کے احوال بھی جو معاندین و مخالفین

کے رہبر تھے اور بر سر عناد و مصروف پیکار رہے۔

اسی لائحہ عمل کے پیش نظر قدماء نے جب کچھ تحریر کیا تو اس بھرپور اور ہمہ گیر زندگی کے ابواب جدا جدا ترتیب دیئے۔ انہوں نے حضور پاک ﷺ کے روزمرہ کے معمولات، عادات و خصائل، اخلاق و آداب، آل اولاد، گھر بار، رہن سہن وغیرہ کو "شمائل" وغیرہ کے عنوان سے مرتب کیا ہے۔ سرزمین بلوچستان میں سیرت آنحضور ﷺ سے متعلق براہ راست یا بالواسطہ جو کتب، مقالات اور مضامین تحریر کئے گئے یا ریڈیو پاکستان کوئٹہ اور ٹی وی کوئٹہ سے تقاریر نشر ہوئیں یا دینی و مذہبی مجلسوں اور جلسوں سے خطاب کیا گیا وہ سبھی کچھ سیرت کے اسی مفہوم کا احاطہ کرتا رہا ہے جس کا متذکرہ بالا سطور میں اظہار کیا گیا ہے اور جن کا ذکر اس ناچیز کی کتاب "نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک بلوچستان میں" کے صفحات کی زینت بنا ہے۔

اسی کتاب میں سے چند باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے صاحب خلق عظیم آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کا ماحصل منظر عام پر آئے گا اور یہ پتہ چلے گا کہ کیسے انسان انگریزوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تہذیب سے متاثر ہونے کی بجائے اسکے مقابل صف آراء ہوئے اور عصر حاضر کے لئے بھی پیغام مصطفیٰ ﷺ کا اعادہ کر گئے۔ ۱۲۵۵ھ بمطابق ۱۸۳۹ء سے سابقہ ریاست قلات میں انگریز سامراج کا عمل دخل، تہذیب و تمدن اور عقیدے کے اعتبار سے ہر شعبہ حیات میں اپنی کارستانی دکھانے لگا۔ بعد ازاں انگریزی فتوحات کا سیلابی عمل بلوچستان کے اطراف و اکناف کو اپنی لپیٹ میں لیتا گیا۔ عمل نفوذ کے ساتھ ساتھ عمل تبلیغ بھی شروع ہوا اور یہی انگریزوں کی یلغار کا دوسرا دور تھا۔ چنانچہ عیسائی مبلغین بروہی علاقوں میں مصروف عمل ہو گئے۔ ان کا ایک زبردست قائد ریورینڈ ٹی۔ جے۔ ایل میئر تھا۔ جو برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی سے متعلق تھا۔ وہ سالہا سال تک بروہیوں سے آزادانہ گھلا ملا رہا اور پھر اس نے تین حصوں میں "اے براہوئی ریڈنگ بک" رومن حروف میں لکھی جو ۷۔۱۹۰۶ء میں لدھیانے میں چھپی۔ اسکا پہلا حصہ ابتدائی معلومات اور آسان مضامین پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ نسبتاً مشکل مضامین پر اور تیسرا حصہ ایک ناولچہ ہے۔ جس میں ایک

براہوی سوداگر کی روداد لکھی گئی ہے۔ میئر اور اس کے رفقائے کار کا نظریہ یہ تھا کہ براہوی عوام سے براہ راست گھل مل کر انہیں زر و جواہرات اور اختیار و اقتدار کا چسکا ڈال کر عیسائی تعلیمات کا قائل و عامل کروا دیا جائے تاکہ غیر ملکی انگریز حکومت اور براہوی عوام میں کوئی فاصلہ ہی نہ رہے اور کسی مدافعت و مخالفت کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ چنانچہ اس کتاب کے ہر حصے کے آخری صفحہ پر یہ عبارت مرقوم ہے:

"Dedicated to those servants of Christ, whose high privilige it may be to evangelize the Brahui people in the near future......."

("یہ کتاب حضرت عیسیٰ کے ان پیروؤں کے نام منسوب ہے جن کو یہ عظیم سعادت نصیب ہو سکتی ہے کہ وہ مستقبل قریب میں بروھی لوگوں کو عیسائی بنا لیں")

اس پس منظر میں مولانا محمد فاضل درخانی رحمتہ اللہ علیہ ابھرے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت انہیں انگریز کی فکری اور اعتقادی یلغار کے مقابل لاکر اسلام کا بول بالا کرنا چاہتی تھی چنانچہ آپ نے بتیس سال تک تبلیغ حق و اصلاح معاشرہ کا کام سرانجام دیا۔ خلق محمدی ﷺ اور عشق احمدی سے سرشار مولانا موصوف نے ان علاقوں کے عوام کی ایسی اصلاح کی کہ جہاں رات دن ڈاکے پڑتے تھے اور قتل و غارت کرنا بہادری کا کام سمجھا جاتا تھا وہاں ایسا امن ہوا کہ اسکی مثال بہت کم ملتی ہے۔ وہ تبلیغ کے لئے تنہا جاتے، کسی کے مہمان نہ ہوتے اور کسی کے گھر کا کھانا نہ کھاتے۔ کیونکہ تبلیغ کے دوران وہ اس بات کو مناسب نہ سمجھتے تھے۔ وہ اپنے ہمراہ ستو اور گڑ رکھتے تھے۔ انہی کو استعمال میں لاتے اور رات کے وقت کسی مسجد میں عبادت کرتے۔

قصبہء درخان میں پہلے کوئی مدرسہ نہ تھا۔ آپ نے اپنے گھر کے نزدیک مسجد بنوائی اور اس کے احاطہ میں مدرسہ جاری کیا۔ جہاں باقاعدہ درس و تدریس کا انصرام ہوا۔ ہر نماز کے بعد مولانا موصوف خود بھی وعظ فرماتے۔ قدرت نے آپ کی زبان میں اتنی تاثیر رکھی تھی کہ جو بھی آپ کے حلقہ میں آیا گناہوں سے تائب ہو کر نیک

اور پارسا بنا۔ آپ کا حلقہء اثر وسیع ہوتا گیا۔ ہر وقت آپ کے ہاں لوگوں کا ہجوم رہنے لگا۔ دین محمدی ﷺ کی باتوں کا چرچا ہوا اور انتہائی عقیدت کے باعث کئی لوگ مرید بن گئے۔ آپ نے باہر سے آنے والوں کے لئے لنگر کا بندوبست کیا اور قیام کی خاطر ایک سرائے بھی تعمیر کرائی۔

قصہ مختصر شیخ البلوچستان علامہ محمد فاضل درخانی (المتوفی ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء) نے میر نصیر خاں نوری (۱۱۶۴ھ تا ۱۲۰۹ء/ ۱۷۵۰ھ تا ۱۷۹۴ء) کے عہد کے ملک داد کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے نہ صرف براھویوں کے دلوں کو ایک بار پھر نور اسلام سے تابندہ کیا بلکہ عالموں، فاضلوں، مفسروں اور مبلغوں کا ایک ایسا نامور گروہ پیدا کر دیا جس نے بلوچستان پر عیسائیت کی یلغار کو کسی طرح بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہونے دیا۔ مولانا کے نامور تلامذہ میں مولانا محمد عبداللہ درخانی، مولانا نبوجان، مولانا عبدالمجید چوتوئی اور مولانا عبدالحئ تھے۔ مولانا محمد فاضل درخانی رحمتہ اللہ علیہ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ ایک ہی صاجزادی تھی۔ جس کی شادی عالم اور متقی حاجی محمد عظیم رئیسانی سے ہوئی۔ ان کے فرزند ارجمند مولانا عبداللہ درخانی تھے جو مولانا محمد فاضل کی صحبت و تربیت میں کندن بنے۔ مولانا محمد فاضل کی وفات پر مولانا عبداللہ ہی آپ کے جانشین ہوئے اور ادارۂ مطبوعات، مسجد اور لنگر وغیرہ کا انتظام سنبھالا۔

آپ نے ڈھاڈر میں دینی مدرسہ بھی قائم کیا جس سے اس علاقے کی معزز ہستیاں بہرہ ور ہوئیں۔ ان میں سے سید اورنگ شاہ اور سید عبدالمجید شاہ زیادہ معروف ہیں۔ گرمیوں میں آپ سریاب (کوئٹہ) تشریف لاتے کیونکہ ڈھاڈر کی گرمی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ سریاب میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ منقطع نہ ہوتا تھا۔ آپ فتویٰ بھی لکھ کر دیتے تھے جو "فتویٰ درخانی" کے نام سے دو جلدوں میں محفوظ ہیں۔ آپ دو سال تک سابقہ ریاست قلات کے قاضی القضاۃ رہے۔ آپ نے حضرت خواجہ محمد عمر چشموی کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ ایک خوش گو شاعر بھی تھے۔ مرشد کے ارشاد پر نقشبندی مجددی سلسلہ کا منظوم شجرہ بھی تیار کیا جو آپ کی قادر الکلامی کا مظہر ہے۔ آپ متعدد کتب کے مصنف تھے۔ "شمائل

شریف" اور "معجزات شریفہ" خاصی مشہور ہیں۔ جو منظوم اور براھوئی زبان میں ہیں۔

"معجزات شریفہ" کے صفحہ ۷۷ پر قصیدۂ نعتیہ بہت متاثر کن انداز میں منظوم کیا گیا ہے۔ "ہر چہ از دل خیزد بردل ریزد" والا معاملہ دکھائی دیتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے:

موکو' تفے ارائے
کیبوت کرے ثنائے
تو لوک خایہ غائے

تورات انجیل و شادی
تسر مبارک بادی
بریک نبیؑ ہادیﷺ

او خواجہ مس لولاک
سجدہ کریتہ سھلاک
ھم بوٹو و درختاک

ترجمہ :- آپﷺ جب غار ثور میں تشریف لے گئے تو مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا بنا۔ کبوتری نے ثنا بیان کی اور انڈا سینے لگی۔

تورات اور انجیل میں یہ خوشخبری آئی اور مبارک باد کے پیغام آئے کہ نبی اور ہادیﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ آپﷺ آقائے لولاک ہیں۔ آپﷺ کو چوپایوں' جڑی بوٹیوں اور درختوں نے بھی سجدہ کیا۔

مولانا نبو جان (المتوفی ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء) کی مشہور ترین تصانیف "تحفتہ الغرائب" "ناصح البلوچ" اور "نصیحت نامہ" ہیں۔ ان کا ایک قابل توصیف کارنامہ ملا ملک داد کی تصنیف "تحفتہ العجائب" کی طباعت تھی۔ جس کے ذریعہ سے پہلی بار تحریرا" براھوئی زبان میں نور اسلام پھیلانے کی تگ و دو کی گئی تھی۔ ملا ملک داد ابن آدین غرشین کی سوچ اتنی برمحل تھی کہ ان کی تصنیف کے سترہ سال کے اندر ۱۱۹۰ھ بمطابق ۱۷۷۶ء میں میر نصیر خان اعظم نے براھوئیوں کی جہالت اور غیر اسلامی انداز زندگی کو

بدلنے کے لئے جھالاوان میں ایک وفد بھیجا جس نے وہاں ایسے قوانین نافذ کئے جو شریعت اسلامیہ اور وقار انسانیہ کے لئے مفید تھے۔ بہ الفاظ دیگر ملا ملک داد میر نصیر خان اول کی اصلاحات کے ذہنی محرک تھے۔

علاوہ ازیں ملا ملک داد کا اثر اس قدر ہمہ گیر اور وارفتہ تھا کہ وہ انہی کے زمانے تک مقید نہ رہا۔ چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں درخاں (ڈھاڈر) سے جو تحریک نشاۃ الاسلامیہ شیخ البلوچستان حضرت مولانا محمد فاضل رحمتہ اللہ علیہ کے زیر قیادت ابھری وہ نہ صرف لسانی بلکہ موضوعاتی اور ذہنی اعتبار سے بھی ملا ملک داد کی روایت کو لئے ہوئے تھی اور چونکہ درخانی مدرسہء فکر اور اسکی نگارشات عالیہ اب بھی مصروف تخلیق و تطہیر ہیں۔ لہٰذا یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ملا ملک داد کی روایت اب بھی براھوئی علم و ادب اور ذہن و قلب میں رچی بسی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ براھوئی زبان کا موجودہ فارسی رسم الخط بھی ملا ملک داد کا ہی اپنایا ہوا ہے۔

مولانا نبو جان کے زمانہ میں ایک جانب انگریز تھے جن کے پاس سرمایہ کی فراوانی تھی اور وہ اپنے پمفلٹوں کی تعداد اشاعت میں روز بروز اضافہ کرتے رہتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ عیسائی مبلغین نے گاؤں گاؤں جاکر غریبوں کو پیسوں اور کھانے پینے کی چیزوں کے ذریعے بہکانے کی سعی کی۔ وہ قافلوں کے ہمراہ بھی رہتے تاکہ ان کے ساتھ میل جول بڑھا کر تبلیغ کر سکیں۔ دوسری طرف مولانا نبو جان اپنی کم مائیگی کے باعث اپنی تصانیف کی تعداد اشاعت نہ بڑھا سکے۔ خود بھوکے رہے لیکن اپنا اثاثہ مذہبی کتابوں کی اشاعت پر لگا دیا۔ نتیجتاً" لوگ رات کو آگ کے قریب بیٹھ کر مولانا کے مذہبی اشعار ترنم سے پڑھتے اور دوسرے انہیں بڑی لگن کے ساتھ سنتے۔ یوں مولانا کی کتابیں کم چھپیں مگر ان سے نسبتاً" زیادہ لوگ بہرہ یاب ہو سکے۔

جس طرح مولانا الطاف حسین حالی نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو بری رسوم سے آگاہ کر کے ان کو ترک کرنے کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ اسی طرح بلوچستان میں وہی انداز مولانا نبو جان نے اپنایا۔ ان کے "نصیحت نامہ" نے لوگوں کو بیدار کر کے دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تبلیغ کی۔

مولانا عبدالمجید چوتوئی مولانا نبو جان کے فرزند ارجمند تھے۔ جنھوں نے مولانا محمد فاضل اور اپنے والد محترم سے بیک وقت علمی دینی اور باطنی استفادہ کیا۔ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔

مفرح القلوب، گلشن راغبین، درالمجیدی، جوش حبیب ﷺ اور شمع القلوب لاحراق الذنوب (قلمی)

مولانا عبدالحئ نے تبلیغ و تلقین کے علاوہ سلسلہء مطبوعات بھی جاری رکھا۔ یوں تو ان کی ذات سے بہت سوں کو فائدہ ہوا مگر ان کے مایہء ناز شاگرد مولانا محمد عمر دین پوری تھے۔

علامہ محمد عمر دین پوری بیک وقت مصنف، مبلغ، مترجم، مفسر، مئولف اور فنکار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عملی سیاسی کارکن بھی تھے۔ وہ نظم و نثر دونوں پر یکساں طور پر حاوی تھے۔ آپ نے اڑتالیس کتب براہوئی زبان میں تصنیف و تالیف کیں اور اس اعتبار سے وہ براہوئی کے سب سے بڑے مصنف ہیں۔ عیسائی مشنریوں نے ۱۹۰۷ء میں انجیل کا براہوئی ترجمہ بھی شائع کر دیا تھا۔ مولانا محمد عمر دین پوری کا ترجمہء قرآن حکیم (کل صفحات ۱۴۳۸) ۱۳۳۴ھ بمطابق ۱۹۱۵ء میں طبع ہو کر براہویوں کے لئے ڈھال بن گیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ترجمہ متصور ہوتا ہے، جس کی شستگی اور روانی کی تعریف کی گئی ہے۔ آپ نے قرآن مجید کے بعض پاروں کی تفسیر بھی لکھی جو علیحدہ علیحدہ شائع ہوئی۔ علامہ دین پوری نے اپنی چند ایک کتابوں جیسے سودائے خام، مشتاق مدینہ، نی الفراق، وبیص الطیب فی ذکر الحبیب ﷺ، تعلیم السلام، نصیحت نامہ وغیرہ میں حضور پاک سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔ ایک مقام پر کہتے ہیں:

محمد نا صفت ہر جاائے   در او پوٹو مش تیائے

ترجمہ:- محمد ﷺ کی صفت ہر جگہ موجود ہے، دریاؤں، میدانوں اور پہاڑوں پر۔

آپ نے اپنی دوسری کتابوں میں ارکان اسلام، اسلامی عقائد، مذہبی مسائل، جہالت کے نقائص، دعا کی قبولیت، جوانی اور بڑھاپے کا موازنہ، پردہ، زلزلہ کی حشر

سامانیاں، قرآن و احادیث نبوی ﷺ کے مطالعہ کے فوائد، صنف نازک کے لئے دینی ہدایات اور گھریلو مسائل وغیرہ پر بحث کی ہے۔ انداز بیان متاثر کن ہے۔

مولانا محمد عمر دین پوری نے ترک موالات کی تحریک سے صرف نظر نہ کیا۔ وہ مرد میدان ثابت ہوئے اور مولانا عبیداللہ سندھی کی تحریک کو لبیک کہتے ہوئے افغانستان جا پہنچے۔ جب تحریک خلافت ختم ہوئی تو واپس لوٹے۔ واپسی پر جیکب آباد کے قریب ایک بستی "دین پور" بسائی اور وہیں تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں مصروف رہے۔ مگر آخر عمر میں "نربینٹ" علاقہ جھالاوان آ گئے اور آخری دم تک مصروف تبلیغ و تلقین رہے۔ آپ کے درجنوں رفیق کار تھے اور ارادتمندوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ آپ نے ۱۳۶۸ھ بمطابق ۱۹۴۸ء میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔ آپ کے ایک لخت جگر مولانا عبداللطیف آپ کے سامنے اللہ کو پیارے ہوئے۔ دوسرے فرزند مولانا محمد شریف بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے۔ البتہ آپ کی صاجزادی مائی تاج بانو نے تصنیف و تالیف کے ذریعے آپ کا مشن جاری رکھا۔ معاشرتی و مذہبی اصلاح کی خاطر آپ نے "تسریع النساء" دو جلدوں میں لکھی۔ آپ براھوئی زبان کی اولین ادیبہ، شاعرہ اور مرثیہ نگار ہیں۔

میاں حضور بخش جتوئی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد فاضل درخانی رحمتہ اللہ علیہ کے مدرسہء درخاں سے فیض یاب ہو کر علاقہ سنی (ضلع کچھی) کے ایک چھوٹے سے گاؤں "تائب" میں ایک دینی مدرس کی حیثیت سے رہنے لگے۔

مشنریوں کے خلاف مولانا محمد فاضل درخانی رحمتہ اللہ علیہ کے مشن کو آگے بڑھانے اور بلوچ حلقوں تک پہنچانے میں آپ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ آپ نے بعض دینی کتب جیسے شمائل شریف کا بلوچی میں منظوم ترجمہ کیا۔ ماہرین کہتے ہیں کہ انہوں نے ترجمے کا حق ادا کیا ہے۔ بلوچی زبان میں دینی کتب کی بہت کمی تھی جسے مولانا جتوئی کی کتب نے پورا کر دیا۔ مولانا موصوف کا عظیم ترین کارنامہ قرآن مجید کا صاف و شستہ بلوچی میں ترجمہ ہے۔ جو ابھی تک متداول ہے۔

مولانا جتوئی کی شاعری خالصتاً دینی اور مذہبی شاعری ہے۔ بلوچ عوام میں اسے

مقبولیت حاصل ہے۔ ان کی کتب آج بھی ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

مولانا عبدالباقی درخانی مولانا محمد عبداللہ درخانی کے صاحبزادے تھے جو ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۹۱۴ء میں عالم وجود میں آئے اور حال ہی میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ موصوف ایک عالم فاضل اور درویش صفت انسان تھے اور انکے عظیم و جلیل خاندان کی علمیت و فضیلت اب انہی میں مرکوز تھی۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف و مولف تھے۔ وہ بہت اچھے حمد گو' نعت گو اور نغمہ پرداز تھے۔ براہوئی' بلوچی اور فارسی میں اظہار خیال کرتے تھے۔ ان کا یہ شعر خاصا مشہور ہے۔

زمین آسماں ستارہ ٹی محمداس محمداس

نا فکر و اشارہ ٹی محمداس محمداس

ترجمہ :- زمین' آسمان اور ستاروں میں محمد ﷺ ہی محمد ﷺ ہے اور ہمارے فکر و اشارہ میں بھی محمد ﷺ ہی محمد ﷺ ہے۔

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ (ف ۱۱۰۲ھ/۱۶۹۰ء) کے خانوادہ سے سُلطان صالح محمدؒ (ف ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) سُلطان نُور احمد (ف ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) سُلطان نور محمدؒ (ف ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء) اور سُلطان محمدؒ نواز عارف (ف ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸) نے تصوف اسلام کی تبلیغ میں سیرت محمدی ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے بلوچستان میں سبی' ناڑی' کچھی اور قلات کے علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کرکے کفار کے منصوبوں کو ملیا میٹ کیا۔

یہ تھا اس صاحب خلق عظیم آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے کا اثر اور نتیجہ---- اسے چودھویں صدی ہجری میں وقوع پذیر زندہ معجزہ کہا جائے تو بجا ہو گا۔

"فخر کونین" (حصہ اول تا سوم) بلوچستان کے ایک نامی گرامی صاحب حال شاعر اور پاکستان کے مایہء ناز ادیب جناب محشرؔ رسول نگری کا ایک علمی و ادبی شاہکار ہے۔ اس میں محشرؔ صاحب روضہء مقدسہ پر حاضری دیتے وقت عصر حاضر کی وہ سب مصیبتیں' آفتیں اور آزمائشیں ایک ایک کرکے بیان کرتے ہیں جو اس وقت مختلف اسلامی ملکوں پر تاریک گھٹاؤں کی طرح چھائی ہوئی ہیں۔ آخر میں ان گنت بے تاب اور بے قرار دلوں میں تڑپتی ہوئی اور مچلتی ہوئی امنگ کو پیش کرتے ہیں جس میں

موجودہ دور کے انسان کی بقا اور فلاح پوشیدہ ہے۔

شاہا! دِلوں کو ولولۂ انقلاب دے — ہر نوجواں کو جوشِ دلِ بُوتراب دے
فیضِ نظر سے گو ہرِ ملت کو آب دے — اُمّت کی تیرہ شب کو نیا آفتاب دے

سُوئے وطن یہ تحفۂ سرکار لے کے جاؤں
در سے ترے مرادِ دلِ زار لے کے جاؤں

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

"بندۂ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے ہر معاملے اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ اگر اس کو خوشی، راحت اور آرام پہنچے تو وہ اپنے ربّ کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے اور اگر اسے کوئی دُکھ یا رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم ربّ کا فیصلہ سمجھتے اور اس کی مشیّت پر یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سَراسَر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔" (معارف الحدیث۔ مُسلم)

ہمارے سامنے حضور پاک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اعلانِ عظیم بھی آتا ہے جو تمام اِسلامی تعلیم کا ماحصل ہے اور جس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پُوری اِنسانیت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

"یاد رکھو! جس شخص یا جس قوم کے دو دن ایک جیسے گُذر گئے یعنی جس کا آج گذشتہ کل کی نسبت ایک قدم آگے نہ بڑھا وہ سخت نقصان میں رہا۔"
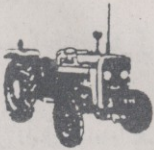
اللہ کے آخری رسُول خاتم الانبیاء، شہنشاہِ عرب و عجم حضرت مُحمّدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیّت اور تفرقہ بازی کو ہَوا دی، وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جس کی عزّت اس صورت میں ہوئی کہ وہ عصبیّت سے کام لے رہا تھا۔"

لوگوں نے عرض کیا حضُور صلی اللہ علیہ وسلم! عصبیّت کیا ہے؟

آپ نے فرمایا "غلط کاموں پر اپنی قوَم، فِرقے، پارٹی اور جماعت کے پیچھے لگ کر اُس کی مدد کرنا۔"

لہٰذا عصبیّت سے بچیئے اور محبّت و اخوّت کو اپنایئے۔

پھیلے گُلہائے اخوّت کی بَہر سُو خوشبو
دُور ہر قلبِ مُسلمان سے کِینہ ہو جائے

(رِضویؔ خیر آبادی)

پیش کردہ: شیخ گل حسن جناح روڈ، کوئٹہ

حضُور نبی کریم ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ :-

"قیامت کے دِن ایک پُکارنے والا پُکار کر کہے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو لوگوں کی خطائیں معاف کر دیا کرتے تھے۔ وہ اپنے پروردگار کے حضُور میں آئیں اور اپنا انعام لے جائیں۔ کیونکہ ہر مُسلمان جس کی یہ عادت تھی بہشت میں داخل ہونے کا حقّ دار ہے۔"

(ابو شیخ فی الثواب عن ابنِ عباس)

جعَفر بن مُحمّد رحمتہ اللہ علیہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ :-

"جب قیامت ہو گی تو منادی نِدا کرے گا۔ سُنو! جس کا نام "مُحمّد" (ﷺ) ہو اسے چاہئے کہ کھڑا ہو جائے اور حضرت (ﷺ) کے اِسم شریف کی کرامت سے جنت میں داخل ہو جائے۔"

سُبحان اللہ! قارئینِ محُترم! آنحضُور ﷺ کی شانِ بُلند ملاحظہ فرمایئے کہ محض ہمنامی سے جنت ملتی ہے۔ اگر انسان سرورِ کونین ﷺ کے اُسوۂ حَسنہ کو اپنا لے تو کیا مقام پائے گا؟ اللہ اعلم۔
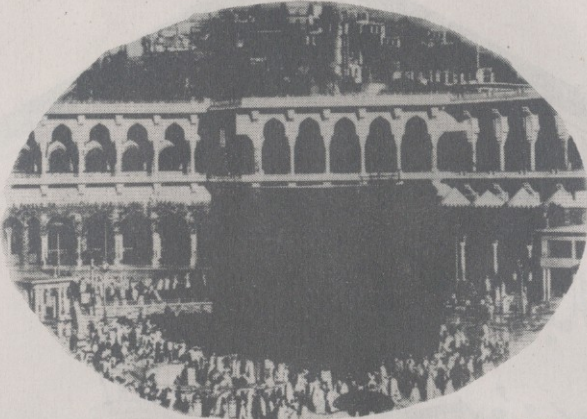
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحدیث

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ سُنَّتِہٖ فَقَالَ الْمَعْرِفَتُہ رَاْسُ مَالِیْ وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ وَ ذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ وَالثِّقَتُہ کَنْزِیْ وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ وَالزُّہْدُ حِرْفَتِیْ وَالْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ وَالصِّدْقُ شَفِیْعِیْ وَالطَّاعَتُہ حَبْسِیْ وَالْجِہَادُ خُلُقِیْ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔

ترجمہ:- حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کی سنت (طریقہ) کیا ہے فرمایا:-

1 میرا راس المال (اصل سرمایہ) تو معرفت ہے
2 میرے دین کی جڑ عقل ہے
3 میری بنیاد محبت ہے۔
4 میری سواری شوق ہے
5 میرا انیس ذکر الٰہی ہے
6 میرا خزانہ اعتماد بر خدا ہے۔
7 میرا ساتھی غم دل ہے
8 میرا ہتھیار علم ہے
9 میرا لباس صبر ہے
10 میرا مال یغمار ضائے الٰہی ہے
11 میرا فخر عجز بدرگاہ ربانی ہے
12 میرا پیشہ زہد ہے
13 میری خوراک یقین ہے
14 میرا شفیع صدق ہے
15 میرا اندوختہ طاعت الٰہی ہے
16 میرا خلق جہاد ہے
17 میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے

شفا بحوالہ رحمت للعالمین۔ ص ۳۳۹ ج ۲

❁

پیش کنندہ: خواجہ محمد طارق۔ کمشنر

نصیر آباد ڈویژن: ڈیرہ مراد جمالی (بلوچستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو کلمات زبان پر بہت ہلکے ہیں، میزان (تول) میں بہت بھاری ہیں اور خداوند مہربان کو بہت پیارے ہیں اور وہ یہ ہیں:

سبحان اللہ بحمدہ سبحان اللہ العظیم،

(پاک ہے اللہ اور اس کے لئے حمد ہے، پاک ہے اللہ جو عظمت والا ہے)۔
اللہ رب العزت نے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو جو تعلیم اور تبلیغ کے پہلو بہ پہلو سراپا عمل اور مثال کی مظہر ہے کو

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ"

(پ ۲۱ سورہ احزاب)
کہہ کر قیامت تک آنے والوں کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔

ظفر اقبال قادر
چیئرمین بورڈ آف گورنرز
تعلیم فاؤنڈیشن گرامر سکول سسٹم

فاؤنڈیشن کے تحت بلوچستان کے مختلف مقامات، ژوب، کوہلو، قلعہ سیف اللہ، لورالائی، مسلم باغ، پشین، مستونگ اور سوئی میں تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ جن کا بنیادی مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں علم کا فروغ اور تعلیمی پسماندگی کا خاتمہ ہے۔ پہلی جماعت سے قرآن پاک (ناظرہ بمعہ ترجمہ) اور چوتھی جماعت سے کمپیوٹر کی تعلیم کا بھی مناسب بندوبست ہے۔